بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فیض الہدایۃ

لحل اسئلۃ الہدایۃ (۱)

مرتب

محمد شہاب قاسمی

باہتمام

فیض الحسن اعظمی

ناشر

مکتبہ صوت القرآن دیوبند

01336-223460, 9358911053

Website: NewMadarsa.blogspot.com

Telegram channel : New Madarsa

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

تفصیلات

نام کتاب.....: فیض الہدایۃ لحل اسئلۃ الہدایۃ (۱)

مرتب.....: محمد شہاب قاسمی

کمپوزنگ.....: محمد محسن دیوبند: 9045237896 - 8057239323

سن طباعت.....: 2020

صفحات.....: 176

ناشر.....: مکتبہ صوت القرآن دیوبند: 01336-223460

ملنے کے پتے

کتب خانہ حمیدیہ، جامع مسجد دہلی	❖	شبلی کتاب گھر اعظم گڈھ
ثاقب بک ڈپو سنبھل	❖	دیوبند اسلامک بک اسٹور دیوبند

مکتبہ صوت القرآن دیوبند

MAKTABA SAUTUL QURAN

Madani Market, Deoband, E-mail: faizulhasanazmi@gmail.com

Mob: 9358911053 Ph: 01336-223460

Website: NewMadarsa.blogspot.com

Telegram channel : New Madarsa

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ نمبر
انتساب	۸
عرضِ مرتب	۹
سوال۱، ہدایہ اوّل:ص۱۵/ (خودساختہ)	۱۰
سوال۲، ہدایہ اوّل:ص۱۷/ (ششماہی ۱۴۲۲ھ)	۱۳
سوال۳، ہدایہ اوّل:ص۱۸/ (سالانہ ۱۴۳۱ھ)	۱۵
سوال۴، ہدایہ اوّل:ص۱۸/ (ششماہی ۱۴۳۲ھ)	۱۷
سوال۵، ہدایہ اوّل:ص۱۹/ (خودساختہ)	۱۹
سوال۶، ہدایہ اوّل:ص۱۹/ (ششماہی ۱۴۲۸ھ)	۲۱
سوال۷، ہدایہ اوّل:ص۲۰/ (ششماہی ۱۴۳۴ھ)	۲۳
سوال۸، ہدایہ اوّل:ص۲۱/ (سالانہ ۱۴۲۸ھ)	۲۵
سوال۹، ہدایہ اوّل:ص۲۲/ (ششماہی ۱۴۳۵ھ)	۲۶
سوال۱۰، ہدایہ اوّل:ص۲۳/ (ششماہی ۱۴۳۶ھ)	۲۹
سوال۱۱، ہدایہ اوّل:ص۲۴/ (سالانہ ۱۴۳۵ھ)	۳۰
سوال۱۲، ہدایہ اوّل:ص۲۵/ (داخلہ امتحان ۱۴۴۰ھ)	۳۲

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال ۱۳، ہدایہ اوّل: ص/۲۶ (خودساختہ).....	۳۳
سوال ۱۴، ہدایہ اوّل: ص/۲۶ (ششماہی ۱۴۳۳ھ).....	۳۴
سوال ۱۵، ہدایہ اوّل: ص/۲۶ (داخلہ امتحان ۱۴۳۳ھ).....	۳۶
سوال ۱۶، ہدایہ اوّل: ص/۲۶ (داخلہ امتحان ۱۴۲۸ھ).....	۳۷
سوال ۱۷، ہدایہ اوّل: ص/۲۸ (داخلہ امتحان ۱۴۳۳ھ).....	۳۹
سوال ۱۸، ہدایہ اوّل: ص/۲۹ (داخلہ امتحان ۱۴۲۷ھ).....	۴۰
سوال ۱۹، ہدایہ اوّل: ص/۳۰ (ششماہی ۱۴۲۵ھ).....	۴۳
سوال ۲۰، ہدایہ اوّل: ص/۳۱ (داخلہ امتحان ۱۴۳۳ھ).....	۴۵
سوال ۲۱، ہدایہ اوّل: ص/۳۲ (خودساختہ).....	۴۷
سوال ۲۲، ہدایہ اوّل: ص/۳۳ (ششماہی ۱۴۳۲ھ).....	۴۹
سوال ۲۳، ہدایہ اوّل: ص/۳۴ (سالانہ ۱۴۳۶ھ).....	۵۰
سوال ۲۴، ہدایہ اوّل: ص/۳۵ (سالانہ ۱۴۲۸ھ).....	۵۲
سوال ۲۵، ہدایہ اوّل: ص/۳۶ (ششماہی ۱۴۳۵ھ).....	۵۵
سوال ۲۶، ہدایہ اوّل: ص/۳۶ (ششماہی ۱۴۳۹ھ).....	۵۷
سوال ۲۷، ہدایہ اوّل: ص/۳۷ (ششماہی ۱۴۳۴ھ).....	۵۸
سوال ۲۸، ہدایہ اوّل: ص/۳۸ (خودساختہ).....	۶۱
سوال ۲۹، ہدایہ اوّل: ص/۳۸ (ششماہی ۱۴۳۶ھ).....	۶۲
سوال ۳۰، ہدایہ اوّل: ص/۳۹ (داخلہ امتحان ۱۴۲۱ھ).....	۶۳
سوال ۳۱، ہدایہ اوّل: ص/۴۰ (خودساختہ).....	۶۶
سوال ۳۲، ہدایہ اوّل: ص/۴۰ (داخلہ امتحان ۱۴۲۶ھ).....	۶۹
سوال ۳۳، ہدایہ اوّل: ص/۴۱ (سالانہ ۱۴۳۳ھ).....	۷۰
سوال ۳۴، ہدایہ اوّل: ص/۴۱ (ششماہی ۱۴۳۷ھ).....	۷۲

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال ۳۵، ہدایہ اوّل: ص/۴۳ (ششماہی ۱۴۳۲ھ)	۷۳
سوال ۳۶، ہدایہ اوّل: ص/۴۳ (ششماہی ۱۴۳۲ھ)	۷۵
سوال ۳۷، ہدایہ اوّل: ص/۴۴ (سالانہ امتحان ۱۴۳۴ھ)	۷۷
سوال ۳۸، ہدایہ اوّل: ص/۴۴ (داخلہ امتحان ۱۴۲۲ھ)	۷۹
سوال ۳۹، ہدایہ اوّل: ص/۴۵ (خودساختہ)	۸۰
سوال ۴۰، ہدایہ اوّل: ص/۴۵ (داخلہ امتحان ۱۴۲۸ھ)	۸۱
سوال ۴۱، ہدایہ اوّل: ص/۴۶ (سالانہ ۱۴۳۱ھ)	۸۵
سوال ۴۲، ہدایہ اوّل: ص/۴۷ (ششماہی ۱۴۲۷ھ)	۸۷
سوال ۴۳، ہدایہ اوّل: ص/۴۸ (خودساختہ)	۸۹
سوال ۴۴، ہدایہ اوّل: ص/۴۹ (خودساختہ)	۹۰
سوال ۴۵، ہدایہ اوّل: ص/۵۰ (سالانہ ۱۴۳۰ھ)	۹۲
سوال ۴۶، ہدایہ اوّل: ص/۵۰ (ششماہی ۱۴۳۰ھ)	۹۴
سوال ۴۷، ہدایہ اوّل: ص/۵۰ (ششماہی ۱۴۳۳ھ)	۹۵
سوال ۴۸، ہدایہ اوّل: ص/۵۲ (خودساختہ)	۹۷
سوال ۴۹، ہدایہ اوّل: ص/۵۲ (داخلہ امتحان ۱۴۳۵ھ)	۹۸
سوال ۵۰، ہدایہ اوّل: ص/۵۳ (ششماہی ۱۴۳۹ھ)	۹۹
سوال ۵۱، ہدایہ اوّل: ص/۵۶ (خودساختہ)	۱۰۰
سوال ۵۲، ہدایہ اوّل: ص/۵۷ (خودساختہ)	۱۰۲
سوال ۵۳، ہدایہ اوّل: ص/۵۹ (ششماہی ۱۴۳۴ھ)	۱۰۳
سوال ۵۴، ہدایہ اوّل: ص/۶۰ (خودساختہ)	۱۰۵
سوال ۵۵، ہدایہ اوّل: ص/۶۱ (ششماہی ۱۴۳۲ھ)	۱۰۸
سوال ۵۶، ہدایہ اوّل: ص/۶۳ (خودساختہ)	۱۱۰

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال ۵۷، ہدایہ اوّل: ص/۶۴ (ششماہی ۱۴۳۷ھ).....	۱۱۱
سوال ۵۸، ہدایہ اوّل: ص/۶۸ (سالانہ ۱۴۲۸ھ).....	۱۱۳
سوال ۵۹، ہدایہ اوّل: ص/۶۸ (داخلہ امتحان ۱۴۳۲ھ).....	۱۱۵
سوال ۶۰، ہدایہ اوّل: ص/۶۹ (داخلہ امتحان ۱۴۳۱ھ وششماہی ۱۴۳۳ھ)..	۱۱۶
سوال ۶۱، ہدایہ اوّل: ص/۷۰ (داخلہ امتحان ۱۴۲۸ھ).....	۱۱۸
سوال ۶۲، ہدایہ اوّل: ص/۷۱ (سالانہ امتحان ۱۴۳۵ھ).....	۱۲۰
سوال ۶۳، ہدایہ اوّل: ص/۷۲ (سالانہ ۱۴۳۲ھ).....	۱۲۲
سوال ۶۴، ہدایہ اوّل: ص/۷۴ (داخلہ امتحان ۱۴۳۴ھ).....	۱۲۳
سوال ۶۵، ہدایہ اوّل: ص/۷۸ (ششماہی ۱۴۳۲ھ).....	۱۲۶
سوال ۶۶، ہدایہ اوّل: ص/۷۹ (داخلہ امتحان ۱۴۲۹ھ).....	۱۲۸
سوال ۶۷، ہدایہ اوّل: ص/۸۳ (داخلہ امتحان ۱۴۳۵ھ).....	۱۳۰
سوال ۶۸، ہدایہ اوّل: ص/۸۴ (ششماہی ۱۴۳۴ھ).....	۱۳۱
سوال ۶۹، ہدایہ اوّل: ص/۸۷ (سالانہ ۱۴۲۵ھ).....	۱۳۴
سوال ۷۰، ہدایہ اوّل: ص/۱۰۲ (ششماہی ۱۴۳۲ھ).....	۱۳۶
سوال ۷۱، ہدایہ اوّل: ص/۱۳۷ (خودساختہ).....	۱۳۸
سوال ۷۲، ہدایہ اوّل: ص/۱۴۲ (سالانہ ۱۴۳۷ھ).....	۱۳۸
سوال ۷۳، ہدایہ اوّل: ص/۱۴۸ (سالانہ ۱۴۳۴ھ).....	۱۴۰
سوال ۷۴، ہدایہ اوّل: ص/۱۷۴ (داخلہ امتحان ۱۴۳۱ھ).....	۱۴۲
سوال ۷۵، ہدایہ اوّل: ص/۱۸۶ (سالانہ امتحان ۱۴۲۱ھ).....	۱۴۴
سوال ۷۶، ہدایہ اوّل: ص/۱۹۹ (خودساختہ).....	۱۴۶
سوال ۷۷، ہدایہ اوّل: ص/۲۰۱ (داخلہ امتحان ۱۴۲۲ھ).....	۱۴۷
سوال ۷۸، ہدایہ اوّل: ص/۲۰۲ (سالانہ ۱۴۲۶ھ).....	۱۴۹

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال ۷۹، ہدایہ اوّل: ص/۲۰۷ (سالانہ ۱۴۲۴ھ) ۱۵۱
سوال ۸۰، ہدایہ اوّل: ص/۲۱۰ (داخلہ امتحان ۱۴۲۵ھ) ۱۵۳
سوال ۸۱، ہدایہ اوّل: ص/۲۱۵ (خودساختہ) ۱۵۵
سوال ۸۲، ہدایہ اوّل: ص/۲۱۷ (داخلہ امتحان ۱۴۳۱ھ) ۱۵۷
سوال ۸۳، ہدایہ اوّل: ص/۲۱۸ (داخلہ امتحان ۱۴۳۰ھ) ۱۶۰
سوال ۸۴، ہدایہ اوّل: ص/۲۲۲ (خودساختہ) ۱۶۱
سوال ۸۵، ہدایہ اوّل: ص/۲۳۴ (خودساختہ) ۱۶۳
سوال ۸۶، ہدایہ اوّل: ص/۲۴۰ (داخلہ امتحان ۱۴۳۱ھ) ۱۶۵
سوال ۸۷، ہدایہ اوّل: ص/۲۴۳ (داخلہ امتحان ۱۴۲۵ھ) ۱۶۷
سوال ۸۸، ہدایہ اوّل: ص/۴۹ (سالانہ ۱۴۳۳ھ) ۱۶۹
سوال ۸۹، ہدایہ اوّل: ص/۲۴۷ (داخلہ امتحان ۱۴۲۳ھ) ۱۷۱
سوال ۹۰، ہدایہ اوّل: ص/۲۵۲ (داخلہ امتحان ۱۴۳۱ھ) ۱۷۲
سوال ۹۱، ہدایہ اوّل: ص/۲۵۶ (سالانہ ۱۴۳۱ھ وداخلہ امتحان ۱۴۴۰ھ) ۱۷۳
سوال ۹۲، ہدایہ اوّل: ص/۲۵۷ (سالانہ ۱۴۳۷ھ) ۱۷۵

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

انتساب

(۱) مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند کے نام جن کی فضا میں رہ کر احقر کو کچھ سیکھنے کا موقع ملا۔

(۲) مشفق والدین کے نام جن کی بے پایاں شفقتیں اور عنایتیں تکمیل علومِ نبوت کے مراحل میں ہمہ وقت ساتھ رہیں۔

(۳) تمام اساتذہ کرام کے نام جن کی مخلصانہ تربیت اور دعاؤں نے ہمیں صحیح راہ دکھائی۔

محمد شہاب قاسمی



Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

عرضِ مرتب

اس میں کوئی شک نہیں کہ علمِ فقہ ان علوم میں سے ہیں جن کو علومِ رئیسہ میں سے شمار کیا جاتا ہے، اس کی فضیلت کے لیے یہی کافی ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْراً يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ'' کہ اللہ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ بوجھ عطا کرتا ہے۔

علمِ فقہ سے متعلق ''ہدایہ'' ایک بہترین تصنیف ہے جس کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب صدیوں سے داخلِ نصاب وحکمت کا بیش قیمت خزانہ ہے، یہ کتاب جہاں فقہ اسلامی اور بالخصوص فقہ حنفی کا انسائیکلوپیڈیا ہے، وہیں مصنف کی قلمی مہارت، قدرتِ کلام اور عقلی دلائل کی بنیاد پر کچھ مشکل بھی ہے۔

اس لیے ہر زمانے میں اس کو حل کرنے اور آسان بنانے کی کوشش ہوتی رہی ہے، اسی کی ایک کڑی ناچیز کی یہ کتاب ''فیض الہدایہ'' ہے جس میں، میں نے ششماہی، سالانہ اور داخلہ امتحان کے پرچوں کو سامنے رکھ کر ان کے سوالات مع جزئیات حل کرنے کی سعی کی ہے اور ممکن حد تک سوالات کے ہر ہر جزیے کو حل کرنے کی سعی کی ہے، ہاں! اگر وہ جزئیہ پیچھے گزر چکا ہے یا آگے بالتفصیل آنے والا ہے، تو اس کو کلیۃً اس جگہ چھوڑ دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مقبول بنائے اور احباب کے لیے نافع بنائے۔

فقط والسلام

محمد شہاب قاسمی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوال ۱، ہدایہ اوّل: ص/۱۵ (خودساختہ)

(الف) عبارت باعراب: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَعْلٰى مَعَالِمَ الْعِلْمِ وَأَعْلَامَهُ، وَأَظْهَرَ شَعَائِرَ الشَّرْعِ وَأَحْكَامَهُ، وَبَعَثَ رُسُلًا وَأَنْبِيَاءَ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِيْنَ إِلٰى سَبِيْلِ الْحَقِّ هَادِيْنَ، وَأَخْلَفَهُمْ عُلَمَاءَ إِلٰى سَنَنِ سُنَنِهِمْ دَاعِيْنَ، يَسْلُكُوْنَ فِيْمَا لَمْ يُؤْثَرْ عَنْهُمْ مَسْلَكَ الْإِجْتِهَادِ، مُسْتَرْشِدِيْنَ مِنْهُ فِيْ ذٰلِكَ وَهُوَ وَلِيُّ الْإِرْشَادِ.

(الف) اعراب لگایئے (ب) ترجمہ کیجیے (ج) الحمد کے الف لام کو تفصیل سے لکھتے ہوئے پوری عبارت کا حل لغات لکھیے۔

جواب: (ب) ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے علم کے نشانات اور جھنڈوں کو بلند کیا اور شریعت کے شعائر اور احکام کو ظاہر کیا اور جس نے انبیائ ورسولوں کو راہِ حق کی طرف ہادی بنا کر مبعوث کیا اور علماء کو انبیاء کے طُرقِ عادات کی نیابت سے سرفراز کیا اُن چیزوں میں جو انبیاء سے منقول نہیں ہیں راہِ اجتہاد کی طرف دعوت دیتے ہوئے اور اس باب میں اللہ سے رشد وہدایت پانے والے ہیں، اللہ ہی مالکِ ارشاد ہے۔

(ج) **الحمد کے الف لام کی تفصیل نیز حل لغات:** الحمد کا الف لام اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک جنس کا ہے یا استغراق کا اور معتزلہ کے نزدیک عہد کا ہے؛ کیونکہ معتزلہ بندوں کو افعال کا خالق مانتے ہیں، لہٰذا جو حمد افعالِ عباد کے مقابلہ میں ہوگی اس کے مستحق بندے ہوں گے نہ کہ اللہ تعالیٰ؛ اس لیے اللہ تمام افراد حمد کا مستحق کیسے ہوسکتا ہے اور چوکہ اہلِ سنت کے نزدیک تمام افعال کا خالق اللہ ہے؛ اس لیے تمام افراد حمد کا مستحق بھی وہی ہوگا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

حمد: تعظیم اور تکریم کے طور پر اوصافِ جمیلہ بیان کرنا۔ (اللہ) منقول ہے یا مرتجل، مشتق ہے یا غیر مشتق، علم ہے یا غیر علم اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے، اللہ اس ذات کو کہتے ہیں جو واجب الوجود ہو اور تمام صفاتِ الوہیت کو مجتمع ہو۔

معالم: مَعْلَم کی جمع ہے، موضع علم یا موضع علامت ہے، یہاں معالم سے اُصولِ شرع مراد ہیں یعنی کتاب، سنت، اجماع، قیاس اور ان اُصول کو بلند کرنا اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ان کے اتباع کا اور ان پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے؛ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ﴾، ﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ﴾، ﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ ۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ. الاٰية﴾، ﴿فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ﴾ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ "معالم" سے مراد علماء ہیں اور علماء کو بلند کرنا ظاہر ہے؛ چنانچہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: ﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ﴾.

واعلامه: اعلام، علم کی جمع ہے، معنیٰ ہیں علامت، پہاڑ، جھنڈا۔ پہلی صورت میں دلیل مراد ہوگی، دوسری صورت میں علماء اور تیسری صورت میں ذاتِ علم مراد ہوگی، بایں طور کہ علم کو اس بادشاہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جس کے ہاتھ میں جھنڈا ہو اور وجہِ تشبیہ واجب الاطاعت اور واجب الانقیاد ہونا ہے۔

شیخ ابن الہمام صاحبِ فتح القدیر نے کہا ہے کہ اعلام سے مراد اسبابِ شرعیہ ہیں، جیسے سورج کا ڈھلنا، ظہر کی نماز کا سبب ہے اور ملک نصاب وجوبِ زکوٰۃ کا، شہودِ شہر وجوبِ صوم کا اور شرافتِ مکان وجوبِ حج کا سبب ہے۔ دلیل یہ ہے کہ علم بمعنیٰ علامت ہے اور اسبابِ شرعیہ بھی احکام واجب ہونے کی علامت ہوتے ہیں اور بعض کی رائے یہ ہے کہ اعلام سے مراد وہ علماء ہیں جن کی اقتداء کی جاتی ہے، اکثر مواقع میں اعلام سے علماء ہی مراد ہیں۔

وأظهر شعائر الشرع: شعائر، "شعيرة" کی جمع ہے جیسے صحائف،

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

صحیفة کی جمع ہے، شعیرة وہ چیز ہے جو اللہ کی عبادت پر علامت ہو سکے اور بعض حضرات نے کہا کہ شعائر سے مراد وہ عبادتیں ہیں جو بطورِ شہرت کے ادا کی جائیں جیسے اذان، جمعہ کی نماز، عید کی نماز، خطبہ، قربانی کرنا اور میدانِ عرفات اور مزدلفہ میں حاجیوں کا جمع ہونا، یہاں شرع سے مشروعات مراد ہیں نہ کہ شارع۔

أحکامه: "احکام" حکم کی جمع ہے، حکم اَثرِ مُرَتَّبُ عَلَی الشَّیْءُ کو کہتے ہیں جیسے جواز، فساد، حرمت، حلت وغیرہ یا حکم اس خطابِ باری کو کہتے ہیں جو بندوں کے ساتھ متعلق ہو یا نسبتِ تامہ کا نام حکم ہے۔ (ملا عبدالغفور) خطبہ میں احکام کا ذکر براعتِ استہلال کے طور پر ہے یعنی احکام سے اس طرف اشارہ ہے کہ یہ کتاب احکام و مسائل پر مشتمل ہے۔

وبعث رُسُلًا وَاَنْبِیَاءً: رسول وہ نبی ہے جس کے ساتھ کتاب ہو جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور نبی وہ ہے جو خدا کے احکام کی تبلیغ کرتا ہو اگرچہ اس کے ساتھ کتاب نہ ہو جیسے حضرت یوشعؑ۔ (کشاف)

هادین: انبیاء کی صفت ہے، هَدَاهُ الطَّرِیْقَ یعنی ہدایت بلا واسطہ مقصد تک پہنچا دینا اور اس معنیٰ کا تحقق صرف اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اور اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ میں اسی معنیٰ کی طرف اشارہ ہے اور هداه إلی الطریق یعنی ہدایت بالواسطہ راستہ دکھلانا اور یہ منصب انبیاء علیہم السلام کا ہے۔

اَخْلَفَهُمْ عَلَمَاء: "اَخْلَفَ" خَلَفَ فُلَانٌ فُلَانًا ن سے ماخوذ ہے اور جب بابِ افعال میں آیا تو متعدی بدو مفعول ہو گیا یعنی اللہ نے علماء کو انبیاء کا خلیفہ بنایا۔ حدیث میں ہے: "اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْأَنْبِیَاءِ" اور وارث اپنے مورث کا خلیفہ اور جانشین ہوتا ہے۔

علماء: عالم کی جمع ہے جیسے شعراء، شاعر کی جمع ہے۔

إِلٰی سُنَنِ سُنَنِهِمْ: 'سنن' سنت کی جمع ہے اور بمعنیٰ راہ، عادت، سنن اوّل سے مراد طرق اور سننِ ثانی سے مراد عادات ہیں، ترجمہ ہوگا: "ایسے راستوں کی طرف دعوت دینے والے ہیں جو عادات انبیاء علیہم السلام تک پہنچانے والے ہیں"۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال ۲، ہدایہ اوّل: ص ۱۷ (ششماہی ۱۴۲۲ھ)

(الف) عبارت باعراب: فَفَرْضُ الطَّهَارَةِ غَسْلُ الْأَعْضَاءِ الثَّلَاثَةِ وَمَسْحُ الرَّأْسِ بِهٰذَا النَّصِّ، وَالْغَسْلُ هُوَ الْإِسَالَةُ، وَالْمَسْحُ هُوَ الْإِصَابَةُ، وَحَدُّ الْوَجْهِ مِنْ قِصَاصِ الشَّعْرِ إِلٰى أَسْفَلِ الذَّقَنِ وَإِلٰى شَحْمَتَيِ الْأُذُنَيْنِ؛ لِأَنَّ الْمُوَاجَهَةَ تَقَعُ بِهٰذِهِ الْجُمْلَةِ، وَهُوَ مُشْتَقٌّ مِنْهَا.

(الف) اعراب لگایئے (ب) ترجمہ کیجیے (ج) فرض کے معانی لکھے، نیز فرض اور واجب کی اصطلاحی تعریف لکھئے (د) تشریح لکھئے۔

جواب: (ب) **ترجمہ:** پس وضو کا فرض تینوں اعضاء کا دھونا اور سر کا مسح کرنا اس نص سے (ثابت) ہے اور غسل پانی بہانا ہے اور مسح پانی پہنچانے کا نام ہے اور چہرے کی حد (سر کے) بال جمنے کی انتہاء سے ٹھوڑی کے نیچے تک اور دونوں کانوں کی دونوں لَو تک ہے؛ اس لیے کہ مواجہت (روبرو ہونا) اس مجموعہ سے واقع ہوتی ہے اور وجہ مواجہت سے ماخوذ ہے۔

(ج) فرض کے معانی، نیز فرض اور واجب کی اصطلاحی تعریف: فرض بہت سے معانی میں مستعمل ہے: (۱) ''قطع'' کہا جاتا ہے فَرَضَ الْخَيَّاطُ الثَّوْبَ: درزی نے کپڑا کاٹا (۲) ''تقدیر'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ﴾ یعنی قدرتم (۳) ''تفضیل'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿سُورَةٌ أَنْزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا﴾ یعنی فَضَّلْنَاهَا (۴) ''بیان'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ﴾ یعنی یبیّن لکم کفارة أیمانکم (۵) ''حد'' قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا﴾ یعنی محدودا (۶) ''عطیہ'' کہا جاتا ہے ''فَرَضْتُ الرَّجُلَ'' یعنی میں نے مرد کو عطیہ دیا (۷) ''بڑھاپے کے معنیٰ'' کہا جاتا ہے ''فُرِضَتِ الْبَقَرَةُ'' بیل بوڑھا ہو گیا، اسی سے ہے ﴿لَا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ﴾ (۹) ''عظمت کے معنیٰ میں ہے'' کہا جاتا ہے ''فلان فارض'' یعنی رئیس۔

ہمارے نزدیک ''فرض'' اس حکم کو کہتے ہیں جو ایسی دلیلِ قطعی سے ثابت ہو جس میں

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

شبہ نہ ہو اور اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا کرنے والا مستحقِ ثواب اور اس کو ترک کرنے والا مستحق عقاب ہوگا۔ اور واجب وہ حکم ہے جس کا لزوم دلیلِ ظنی سے ثابت ہو اور اس کا ادا کرنے والا فرض ادا کرنے والے سے کم ثواب کا مستحق ہوگا اور اس کو ترک کرنے والا فرض ترک کرنے والے سے کم عقاب کا مستحق ہوگا۔

(و) تشریح: ''وضوٗ'' واؤ کے ضمہ کے ساتھ فعل مخصوص معلوم کا نام ہے اور واؤ کے فتحہ کے ساتھ وہ پانی جو وضو کے لیے مہیا کیا گیا ہے۔

صاحبِ ہدایہ نے احکامِ وضو کو مقدم کیا ہے کثرتِ حاجت کی وجہ سے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وضو کا محل غسل کے محل کا جزء ہے اور جزء کل پر مقدم ہوتا ہے؛ اس لیے وضو کو غسل پر مقدم کیا گیا۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھی وضو کو غسل پر مقدم کیا ہے؛ چنانچہ اوّلاً فرمایا ہے: ﴿فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ ... الآية﴾ اور اس کے بعد ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا﴾ (سورۃ المائدہ:٦) فرمایا ہے۔

غسل: غین کے ضمہ کے ساتھ وہ پانی جس سے غسل کیا جائے اور تمام بدن کے دھونے کا نام بھی غسل ہے، غسل کسرہ کے ساتھ وہ چیز جس سے سر دھویا جائے، یعنی خطمی اور غسل فتحہ کے ساتھ مصدر ہے معنیٰ دھونا۔

صاحبِ ہدایہ نے فرمایا کہ وضو میں چار فرض ہیں، تین اعضاء کا دھونا اور سر کا مسح کرنا اور ان چاروں کی فرضیت کا ثبوت مذکورہ آیت سے ہے، نیز فرمایا کہ غسل کے معنیٰ پانی بہانا ہے، اس سے امام مالکؒ پر رَد کرنا مقصود ہے؛ کیونکہ ان کے نزدیک پانی بہانا کافی نہیں ہے؛ بلکہ دلک یعنی مَلنا بھی شرط ہے اور مسح کے معنیٰ بغیر تقاطرِ ماء کے پانی پہنچانا ہے۔

مصنفِ ہدایہؒ نے طولاً اور عرضاً وجہ کی حد بندی اس طرح کی ہے کہ سر کے بالوں کے اُگنے کی جگہ سے ٹھوڑی کے نیچے تک اور ایک کان کی لَو سے دوسرے کان کی لَو تک چہرہ کا دھونا فرض ہے، دلیل یہ ہے کہ وجہ مشتق ہے مواجہت سے اور مواجہت اس پورے حصہ سے واقع ہوتی ہے؛ اس لیے اس پورے حصہ کا دھونا فرض ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال ۳، ہدایہ اوّل: ص/۱۸ (سالانہ ۱۴۳۱ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَالْمِرْفَقَانِ وَالْكَعْبَانِ يَدْخُلَانِ فِي الْغَسْلِ عِنْدَنَا خِلَافًا لِزُفَرَ رَحِمَهُ اللّٰهُ هُوَ يَقُوْلُ: اَلْغَايَةُ لَاتَدْخُلُ تَحْتَ الْمُغَيَّا كَاللَّيْلِ فِي بَابِ الصَّوْمِ، وَلَنَا أَنَّ هٰذِهِ الْغَايَةَ لِإِسْقَاطِ مَاوَرَائِهَا إِذْ لَوْلَاهَا لَاسْتَوْعَبَتِ الْوَظِيْفَةُ الْكُلَّ وَفِي بَابِ الصَّوْمِ لِمَدِّ الْحُكْمِ إِلَيْهَا إِذِ الْإِسْمُ يُطْلَقُ عَلَى الْإِمْسَاكِ سَاعَةً، وَالْكَعْبُ هُوَ الْعَظْمُ النَّاتِيْ هُوَ الصَّحِيْحُ، وَمِنْهُ الْكَاعِبُ.

(الف) اعراب لگائیے (ب) ترجمہ کیجیے (ج) صورتِ مسئلہ کو بوضاحت لکھئے (د) احناف کی دلیل لکھئے (ہ) بتائیے کہ غایت مغیّا کسے کہتے ہیں؟

جواب: (ب) ترجمہ: اور دونوں کہنیاں اور دونوں ٹخنے ہمارے یہاں دھونے میں داخل ہیں، برخلاف امام زفرؒ کے، وہ کہتے ہیں کہ غایت مغیا کے تحت داخل نہیں ہوتی جیسے روزے کے باب میں رات، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ غایت اپنے علاوہ کو ساقط کرنے کے لیے ہے؛ کیونکہ اگر غایت کا تذکرہ نہ ہوتا تو وظیفۂ غسل پورے ہاتھ کو شامل ہوتا، اور روزے کے باب میں غایت لیل تک حکم کو کھینچنے کے لیے؛ کیونکہ تھوڑی دیر رکنے پر بھی صوم کا اطلاق ہوتا ہے اور کعب وہ اُبھری ہوئی ہڈی ہے، یہی صحیح ہے اور اسی سے کاعب ہے۔

(ج) صورتِ مسئلہ کی وضاحت: اس عبارت میں مصنفؒ نے ایک اختلافی مسئلہ کو بیان کیا ہے۔ صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ وضوء میں دونوں ہاتھوں اور دونوں پیروں کا دھونا فرض ہے؛ لیکن ہاتھ اور پیر کی حد بندی میں فقہاءِ کرام کا اختلاف ہے۔ اس سلسلے میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد رحمہم اللہ کا مسلک یہ ہے کہ ہاتھوں کے ساتھ کہنیوں کا اور پیروں کے ساتھ ٹخنوں کا دھونا بھی فرض ہے، یہی ایک روایت امام مالکؒ سے ہے۔ ان حضرات کے برخلاف امام زفرؒ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

فرماتے ہیں کہ ہاتھ اور پیر علی الترتیب کہنیوں اور ٹخنوں تک ہی دھوئے جائیں گے اور کہنیوں اور ٹخنوں کا دھونا فرض نہیں ہے، یہی ایک روایت امام مالکؒ سے ہے۔

دلیل زفرؒ: امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ غایت مغیا کے تحت داخل نہیں ہوتی۔

ولنا: یہاں سے مصنفؒ ہماری دلیل دے رہے ہیں، اسی سے امام زفرؒ کا جواب ہوجائے گا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ غایت کی دو قسمیں ہیں: (۱) غایتِ اثبات (۲) غایتِ اسقاط، اور ان میں فرق یہ ہے کہ اگر مغیا غایت کی جنس سے ہے تو یہ غایت ''غایتِ اسقاط'' کہلائے گی اور غایت مغیا میں داخل ہوگی اور اگر مغیا غایت کی جنس سے ہے تو غایت ''غایتِ اثبات'' کہلائے گی اور حکم میں داخل نہیں ہوگی، جیسے: ﴿اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى اللَّيْلِ﴾ کہ اس میں لیل صوم کے حکم میں داخل نہیں ہے، لہٰذا یہ غایت ''غایتِ اثبات'' کہلائے گی اور ﴿اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ﴾ اور ﴿وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ میں مرفق اور کعب ید اور رِجل کی جنس سے ہیں، لہٰذا ان کی غایت، غایتِ اسقاط کہلائے گی اور مغیا کے حکم میں داخل ہوگی اور چونکہ مغیا یعنی ید اور رجل کا دھونا ضروری ہے، لہٰذا ان کی غایت یعنی مرفق اور کعب کا دھونا بھی ضروری ہوگا۔

(د) احناف کی دلیل: احناف کی دلیل یہ حدیث ہے: عن جابر بن عبد الله قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا توضأ أراد الماءَ عَلىٰ مرفَقَيْهِ".

(ہ) غایت مغیا کسے کہتے ہیں؟ غایت کہتے ہیں کہ جہاں تک کرنے کے لیے کہا اس کی انتہاء کو غایت کہتے ہیں، اور اس سے پہلے کو مغیا۔ مثلاً جیسے روزہ رات تک رکھنے کے لیے کہا تو رات غایت ہوئی اور اس سے پہلے جو دن ہے اس کو مغیا کہتے ہیں، اسی طرح انگلی سے لے کر کہنی تک مغیا ہوگا اور خود کہنی غایت ہوگی، اسی طرح پاؤں کی انگلی سے لے کر ٹخنے تک مغیا ہے اور خود ٹخنہ غایت ہے۔ اسی طرح دوسرے الفاظ میں کسی بھی عربی کلام میں حرفِ الیٰ کے مابعد کو غایت اور حرفِ الیٰ کے ماقبل کو مغیا کہتے ہیں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال ۴، ہدایہ اوّل: ص/۱۸ (ششماہی ۱۴۳۲ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَالْمَفْرُوْضُ فِيْ مَسْحِ الرَّأْسِ مِقْدَارُ النَّاصِيَةِ وَهُوَ رُبْعُ الرَّأْسِ لِمَا رَوَى الْمُغِيْرَةُ بْنُ شُعْبَةَ أَنَّ النَّبِيَّ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- أَتَىٰ سُبَاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ وَتَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَىٰ نَاصِيَتِهٖ وَخُفَّيْهِ وَالْكِتَابُ مُجْمَلٌ فَالْتَحَقَ بَيَانًا بِهٖ، وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ فِي التَّقْدِيْرِ بِثَلَاثِ شَعَرَاتٍ، وَعَلَىٰ مَالِكٍ فِي اشْتِرَاطِ الْاِسْتِيْعَابِ، وَفِيْ بَعْضِ الرِّوَايَاتِ قَدَّرَهُ بَعْضُ أَصْحَابِنَا بِثَلَاثِ أَصَابِعَ مِنْ أَصَابِعِ الْيَدِ لِأَنَّهَا أَكْثَرُ مَاهُوَ الْأَصْلُ فِيْ آلَةِ الْمَسْحِ.

(الف) اعراب لگائیں (ب) ترجمہ کریں (ج) سر کے فرض کی مقدار میں ائمہ کرام کے مذاہب مع دلیل تحریر کریں (د) بتائیں کہ وضو میں صرف ناصیہ پر مسح کر لینا کافی ہے یا نہیں؟

جواب: (ب) ترجمہ: اور وضو میں سر کا مسح کرنا پیشانی کے بقدر حصہ پر فرض ہے اور پیشانی کے بقدر حصہ چوتھائی سر ہے اور سر کے صرف اتنے حصہ پر مسح کرنا حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی اس روایت کی وجہ فرض ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک قوم کی کوڑی پر تشریف لائے اور آپؐ نے وہاں پیشاب کیا اور وضو کیا اور اپنی ناصیہ اور خفین پر مسح فرمایا، اور قرآنِ کریم کی آیت مجمل ہے، پس یہ حدیث اس آیت کو اس کا بیان بن کر لاحق ہوگی اور یہ حدیث مسح میں تین بالوں کے ساتھ اندازہ لگانے میں حضرت امام شافعیؒ کے خلاف حجت ہے اور وضو میں تمام سر پر مسح کرنے کی شرط لگانے میں حضرت امام مالکؒ کے خلاف حجت ہے اور احناف کی بعض روایت میں ہے کہ ہمارے بعض اصحاب نے (مقدارِ ناصیہ) کا اندازہ ہاتھ کی تین انگلیوں کی بقدر لگایا ہے۔

(ج) سر کے فرض کی مقدار میں ائمہ کرام کے مذاہب مع دلیل: سر کے مسح کی فرض مقدار میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے، اس سلسلے میں ائمہ کرام کے تین مذاہب ہیں،

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

پہلا مذہب: حضرت امام اعظمؒ اور صاحبینؒ کا ہے، ان حضرات کے نزدیک وضو میں صرف چوتھائی سر پر مسح کرنا فرض ہے۔

اور دوسرا مذہب اس سلسلے میں حضرت امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا ہے، ان دونوں اماموں کے نزدیک تمام سر پر مسح کرنا وضو میں فرض ہے۔

اور تیسرا مذہب امام شافعیؒ کا ہے، ان کے نزدیک وضو میں لاعلی التعیین سر کے صرف تین بالوں پر مسح کرنا فرض ہے۔

مذہبِ اوّل کی دلیل مغیرہ بن شعبہؓ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن قوم کی کوڑی پر تشریف لائے اور آپؐ نے وہاں پیشاب کیا اور وضو فرمایا اور اس وضو میں آپ علیہ السلام نے اپنے خفین اور ناصیہ پر مسح فرمایا۔ استدلال اس طور پر انہوں نے کیا ہے کہ قرآنِ کریم کی آیت اس سلسلے میں مجمل ہے اور مجمل محتاجِ بیان ہوتا ہے اور یہاں یہی حدیث بیان ہے، پس مسحِ راس کے سلسلے میں اس حدیث پر عمل کرنا ضروری ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حدیث میں ناصیہ سے مراد مقدارِ ناصیہ ہے اور مقدارِ ناصیہ اور چوتھائی سر ایک ہی بات ہے یعنی پیشانی کے بقدر سر کا چوتھائی حصہ ہوتا ہے، لہٰذا اگر پیشانی کے بقدر سر پر مسح کرلیا تو چوتھائی سر کا مسح ہوگیا؛ اس لیے مذہبِ اوّل والے نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے۔

مذہبِ دوم کی دلیل قرآنِ کریم کی آیتِ وضو ہے، وجہِ استدلال یہ ہے کہ آیتِ وضو میں مسحِ رأس کے متعلق اللہ رب العزت نے ﴿وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ﴾ فرمایا ہے، اور اس میں ''باء'' زائدہ ہے اور اصل وامسحوا رؤسکم ہے اور اس کا اطلاق پورے سر پر ہوتا ہے؛ اس لیے وضو میں پورے سر پر مسح کرنا فرض ہے۔

مذہبِ سوم والے کی دلیل وضو کی آیت ہے۔ اس طور پر کہ اللہ رب العزت نے ﴿وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ﴾ مطلق ذکر کیا ہے تو اللہ نے مطلقاً وضو میں سر پر مسح کرنے کا حکم ارشاد فرمایا ہے اور مطلق کے سلسلے میں قاعدہ ہے: المطلق یجري علی اطلاقہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کہ مطلق اپنے اطلاق پر جاری ہوتا ہے، پس اس قاعدہ کے پیش نظر وضو میں مطلق سر پر مسح کرنا فرض ہے اور سر کے تین بال بھی چونکہ سر ہی کا حصہ ہیں، لہٰذا وضو میں صرف انھیں پر مسح کرنے سے مسح کا فرض ادا ہو جائے گا۔

(د) وضو میں صرف ناصیہ پر مسح کر لینا کافی ہے یا نہیں؟ وضو میں صرف ناصیہ پر مسح کر لینا کافی نہیں ہے؛ بلکہ مسح سر پر کرنا فرض ہے۔

سوال ۵، ہدایہ اوّل: ص/۱۹ (خود ساختہ)

(الف) عبارت باعراب: قَالَ: وَسُنَنُ الطَّهَارَةِ غَسْلُ الْيَدَيْنِ قَبْلَ اِدْخَالِهِمَا الْإِنَاءَ إِذَا اسْتَيْقَظَ الْمُتَوَضِّيُ مِنْ نَوْمِهِ، لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِّنْ مَّنَامِهِ فَلَايَغْمِسَنَّ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ حَتّٰى يَغْسِلَهَا ثَلَاثًا، فَإِنَّهُ لَايَدْرِيْ أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ، وَلِأَنَّ الْيَدَ آلَةُ التَّطْهِيْرِ فَتَسُنُّ الْبِدَايَةُ بِتَنْظِيْفِهَا، وَهٰذَا الْغَسْلُ إِلَى الرُّسْغِ لِوُقُوْعِ الْكِفَايَةِ بِهٖ فِي التَّنْظِيْفِ.

(الف) اعراب لگائیے (ب) ترجمہ کیجیے (ج) جامع تشریح کیجیے۔

جواب: (ب) ترجمہ: فرمایا کہ: وضو کی سنتیں، دونوں ہاتھوں کو دھونا ہے، ان دونوں کو برتن میں داخل کرنے سے پہلے، جبکہ متوضی اپنی نیند سے بیدار ہو؛ اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے جب تم میں سے کوئی اپنی نیند سے بیدار ہو تو اپنا ہاتھ برتن میں نہ ڈالے، یہاں تک کہ اس کو تین بار دھو ڈالے؛ اس لیے کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کا ہاتھ رات کہاں رہا اور اس لیے کہ ہاتھ آلۂ تطہیر ہے، سو خود اس کو پاک کرنے کی ہدایت مسنون ہے اور یہ دھونا پہونچے تک ہے؛ کیونکہ اسی قدر کے ساتھ پاکیزگی کرنے میں کفایت حاصل ہو جاتی ہے۔

(ج) تشریح: سنن، سنت کی جمع ہے، سنت، دین میں ایسے رائج طریقہ کو کہتے ہیں جو نہ فرض ہو اور نہ واجب، اس کا ادا کرنے والا مستحق ثواب اور ترک کرنے والا ملامت اور عقاب کا مستحق ہو۔ علامہ ابن الہمام نے کہا ہے کہ سنت وہ ہے جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھار ترک کے ساتھ ہمیشگی فرمائی ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

رہی یہ بات کہ صاحبِ ہدایہ نے فرض بصیغۂ واحد اور سنن بصیغۂ جمع کیوں ذکر فرمایا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ فرض اصل میں مصدر ہے اور مصادر تثنیہ اور جمع سے مستثنیٰ ہوتے ہیں، اس کے برخلاف سنت کہ یہ مصدر نہیں ہے؛ اس لیے اس کو بصیغۂ جمع ذکر کیا گیا ہے۔

بہرحال وضو کی سنتوں میں سب سے پہلی سنت یہ ہے کہ جب متوضی نیند سے بیدار ہو تو وہ اپنے دونوں ہاتھ برتن میں ڈالنے سے پہلے تین مرتبہ دھولے اور دھونے کا طریقہ یہ ہے کہ پانی اگر کسی چھوٹے برتن میں رکھا ہے تو بائیں سے اٹھا کر دائیں ہاتھ پر پانی ڈالے، پھر دائیں سے بائیں پر پانی ڈالے اور اگر برتن اتنا بڑا ہو کہ اس کا اٹھانا ممکن نہیں، تو چھوٹا برتن لے کر اس میں سے پانی نکالے، پھر اپنے بائیں ہاتھ سے دائیں پر پانی بہائے اور دائیں ہاتھ سے بائیں پر بہائے اور اگر چھوٹا برتن نہ ہو تو بائیں ہاتھ کی انگلیاں ملا کر بڑے برتن سے پانی لے کر دائیں ہاتھ پر ڈالے، ہتھیلی پانی میں داخل نہ کرے، پھر دائیں سے پانی لے کر بایاں ہاتھ دھو ڈالے۔

حدیثِ ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے جس کو شیخینؒ نے روایت کیا ہے ء"إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِّنْ نَوْمِهِ فَلَايَغْمِسَنَّ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ حَتّٰى يَغْسِلَهَا، فَإِنَّهُ لَايَدْرِي أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ"، اور مسلم کے الفاظ ہیں: "حَتّٰى يَغْسِلَهَا ثَلَاثًا" اور بعض روایات میں "فَلَايَغْمِسَنَّ" نون تاکید کے ساتھ ہے۔ حاصل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص سو کر اٹھے تو اپنا ہاتھ برتن میں ڈالنے سے پہلے اس کو تین مرتبہ دھولے؛ کیونکہ اس کو معلوم نہیں کہ اس کا ہاتھ کہاں رہا۔

مبسوط میں ہے کہ وضو کرنے سے پہلے دونوں ہاتھوں کا دھونا مطلقاً سنت ہے، خواہ نیند سے بیدار ہوا ہو یا نہ ہوا ہو؛ کیونکہ دھونے کی علت بیدار شخص میں بھی موجود ہے یعنی ہوسکتا ہے کہ اس نے اپنے ہاتھ سے اپنے بدن کی رگوں کو چھوا ہو۔ حاصل یہ کہ ہاتھوں کو دھونے کی علت توہمِ نجاست ہے اور یہ توہم دونوں صورتوں میں ہے، خواہ نیند سے بیدار ہو یا پہلے سے جاگا ہوا ہو اور یہ اس وقت تک سنت ہے جبکہ نجاست ظاہر نہ ہو؛ ورنہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

نجاست زائل کرنا فرض ہے اور دوسری دلیل یہ ہے کہ ہاتھ، پاک کرنے کا آلہ ہے؛ لہٰذا پہلے خود اسی کا پاک کرنا مسنون ہوگا اور دھونا گٹوں تک مسنون ہے؛ کیونکہ پاکیزگی حاصل کرنے میں اتنی مقدار کافی ہوجاتی ہے۔

سوال ۶، ہدایہ اوّل: ص/۱۹ (ششماہی ۱۴۲۸ھ)

(الف) عبارت باعراب: قَالَ: وَتَسْمِيَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى فِيْ اِبْتِدَاءِ الْوُضُوْءِ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ: لَاوُضُوْءَ لِمَنْ لَمْ يُسَمِّ، وَالْمُرَادُ بِهٖ نَفْيُ الْفَضِيْلَةِ. وَالْأَصَحُّ أَنَّهَا مُسْتَحَبَّةٌ وَإِنْ سَمَّاهَا فِي الْكِتَابِ سُنَّةً وَيُسَمّٰى قَبْلَ الْإِسْتِنْجَاءِ وَبَعْدَهٗ هُوَ الصَّحِيْحُ.

(الف) اعراب لگائیے (ب) ترجمہ کیجیے (ج) تشریح اس طرح لکھئے کہ "لا" کا محمل بہتر طریقے سے واضح ہوجائے، نیز تسمیہ قبل الاستنجاء اور بعد الاستنجاء کا اختلاف بھی واضح ہوجائے۔

جواب: **(ب) ترجمہ:** فرمایا: اور اللہ کا نام لینا ابتداءِ وضو میں؛ اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس شخص کا وضو نہیں جس نے تسمیہ نہ کیا اور اس سے مراد فضیلت کی نفی ہے اور اصح یہ ہے کہ تسمیہ مستحب ہے، اگرچہ کتاب میں اس کو سنت کہا ہے اور تسمیہ پڑھے استنجاء سے پہلے بھی اور بعد میں بھی، یہی صحیح ہے۔

(ج) واضح تشریح: صاحبِ قدوریؒ نے فرمایا کہ دونوں ہاتھوں کا گٹوں تک دھونا تو وضو پر مقدم تھا؛ مگر جب وضو شروع کرے تو اللہ کے نام سے شروع کرے اور تسمیہ کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ بسم اللہ کہہ کر شروع کرے اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھے اور علامہ ابن الہمام نے فرمایا ہے کہ امام طحاویؒ نے کہا کہ بِسْمِ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى دِيْنِ الْإِسْلَامِ کہے، یہی سلف سے منقول ہے اور بعض نے کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً منقول ہے۔ بہرحال ہمارے نزدیک ابتداءِ وضو میں تسمیہ مسنون ہے اور اصحابِ ظواہر اور امام احمدؒ نے فرمایا کہ تسمیہ وضو کی شرط ہے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

بغیر تسمیہ کے وضو نہیں ہوگا، دلیل وہ حدیث ہے جس کو حاکم اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے:

"عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَاصَلٰوةَ لِمَنْ لَا وُضُوْءَ لَهُ وَلَا وُضُوْءَ لِمَنْ لَّمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ".

(یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی نماز نہیں جس کے لیے وضو نہیں اور اس کے لیے وضو نہیں جس نے اللہ کا نام ذکر نہیں کیا)

اصحابِ ظواہر کہتے ہیں کہ حدیث میں "لا" نفی جنس کے لیے ہے یعنی بغیر تسمیہ کے وضو نہیں ہوگا؛ مگر ہماری طرف سے جواب یہ ہوگا کہ حدیث میں فضیلت وضو کی نفی کی گئی ہے یعنی بغیر تسمیہ کے وضو تو ہو جائے گا؛ مگر افضل نہیں ہوگا۔ جیسے: لَاصَلٰوةَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ میں کمالِ صلوٰۃ اور فضیلتِ صلوٰۃ کی نفی کی گئی ہے نہ کہ صحتِ صلوٰۃ کی اور جیسے "لَا إِيْمَانَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ" میں کمالِ ایمان کی نفی کی گئی ہے نہ کہ نفسِ ایمان کی، پس ایسے ہی حدیث تسمیہ میں فضیلت اور کمالِ وضو کی نفی کی گئی ہے نہ کہ جواز اور صحتِ وضو کی۔ ہماری تائید علی بن یحییٰ بن خلاد کی حدیث سے بھی ہوتی ہے، حدیث یہ ہے: "إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِلْمُسِيْءِ صَلٰوتَهُ إِذَا قُمْتَ فَتَوَضَّأْ كَمَا أَمَرَكَ اللّٰهُ" یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا جو ارکانِ صلوٰۃ صحیح طور پر ادا نہیں کرتا تھا کہ جب تو نماز پڑھنے کا ارادہ کرے تو اس طرح وضو کیا کر جس طرح اللہ نے تجھ کو حکم دیا ہے اور اللہ نے جس وضو کا حکم دیا ہے اس میں تسمیہ نہیں ہے۔

اور دار قطنی نے روایت کیا "مَنْ تَوَضَّأَ وَذَكَرَ اسْمَ اللّٰهِ فَإِنَّهُ يَطْهُرُ جَسَدَهُ وَمَنْ تَوَضَّأَ وَلَمْ يَذْكُرِ اللّٰهَ لَمْ يَطْهُرْ إِلَّا مَوْضِعَ الْوُضُوْءِ" یعنی جس نے اوّل وضو میں اللہ کا نام ذکر کیا تو اس کا تمام بدن پاک ہو جاتا ہے اور جس نے اللہ تعالیٰ کا نام ذکر نہ کیا تو اعضاءِ وضو کے علاوہ کچھ پاک نہیں ہوتا، ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ تسمیہ وضو میں شرط نہیں ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

صاحبِ ہدایہؒ نے فرمایا کہ اصح یہ ہے کہ تسمیہ وضو میں مستحب ہے، اگرچہ قدوری میں اس کو سنت کہا ہے۔ علامہ بدرالدین عینیؒ شارح ہدایہ نے فرمایا کہ استحباب تسمیہ کا قول کیسے درست ہوگا؛ درانحالیکہ احادیثِ کثیرہ اس کی سنیت پر دلالت کرتی ہیں۔ صاحبِ ہدایہ نے فرمایا کہ تسمیہ استنجاء سے پہلے بھی پڑھے اور بعد بھی، یہی صحیح قول ہے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ صرف استنجاء سے پہلے تسمیہ پڑھے اور بعض کا خیال ہے کہ صرف استنجاء کے بعد پڑھے۔

جو حضرات کہتے ہیں کہ قبل الاستنجاء بسم اللہ پڑھے ان کی دلیل یہ ہے کہ استنجاء وضو کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے؛ لہٰذا اس سے پہلے ہی بسم اللہ پڑھے؛ تاکہ تمام افعالِ وضو فرض ہوں یا سنت بسم اللہ سے واقع ہوں۔ اور جو استنجاء کے بعد کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ استنجاء سے پہلے کشفِ عورت کی حالت ہے اور کشفِ عورت کی حالت میں اللہ کا ذکر کرنا مناسب نہیں ہے؛ اس لیے استنجاء کے بعد بسم اللہ پڑھے اور قولِ اصح کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول "كُلُّ أَمْرٍ ذِيْ بَالٍ لَمْ يُبْدَأْ فِيْهِ بِذِكْرِ اللّٰهِ" اس بات کا مقتضی ہے کہ ابتداءِ وضو میں اللہ کا نام ذکر کیا جائے اور چونکہ استنجاء بھی وضو کے ملحقات میں سے ہے؛ اس لیے استنجاء کرنے سے پہلے بھی بس اللہ پڑھنا مستحب ہوگا۔

سوال ۷، ہدایہ اوّل: ص ۲۰ (ششماہی ۱۴۳۴ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَالْمَضْمَضَةُ وَالْاِسْتِنْشَاقُ لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَعَلَهُمَا عَلَى الْمُوَاظَبَةِ وَكَيْفِيَّتُهُمَا أَنْ يَمَضْمَضَ ثَلَاثًا يَأْخُذُ لِكُلِّ مَرَّةٍ مَاءً جَدِيْدًا ثُمَّ يَسْتَنْشِقُ كَذٰلِكَ، هُوَ الْمُحْكَىٰ مِنْ وُضُوْئِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَمَسَحَ الْأُذُنَيْنِ وَهُوَ سُنَّةٌ بِمَاءِ الرَّأْسِ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْأُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ وَالْمُرَادُ بَيَانُ الْحُكْمِ دُوْنَ الْخِلْقَةِ.

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب مع اختلاف لکھیں (ج) المراد سے کیا کہہ رہے ہیں؟

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جواب: (ب) ترجمہ: اور وضو کی سنتوں میں سے کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا ہے؛ اس لیے کہ حضور علیہ السلام نے ان دونوں پر مواظبت کیا ہے اور ان کا طریقہ یہ ہے کہ تین مرتبہ کلی کرے اور ہر مرتبہ نیا پانی لے، پھر ایسے ہی تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالے، حضور علیہ السلام سے وضو کا یہی طریقہ منقول ہے اور دونوں کانوں کا مسح کرنا سر کے پانی سے مسنون ہے، برخلاف امام شافعیؒ کے؛ کیونکہ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے "الأذنان من الرأس" (دونوں کان سر میں سے ہیں) اور مراد حکم کا بیان کرنا ہے نہ کہ تخلیق کا۔

(ب) مطلب مع اختلاف: مصنفؒ فرماتے ہیں کہ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا وضو میں مسنون ہے؛ کیونکہ اس پر آپ علیہ السلام نے مواظبت کی ہے اور ان دونوں کے کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ تین مرتبہ کلی کرے اور ہر مرتبہ یہی نیا پانی لے، پھر اسی طرح ناک میں تین مرتبہ نیا پانی ڈالے۔

اور اسی طرح وضو کی سنتوں میں سے دونوں کانوں کا مسح کرنا بھی ہے بالاتفاق؛ البتہ طریقۂ مسح میں اختلاف ہے؛ چنانچہ احنافؒ کے نزدیک کانوں کا مسح سر کے مسح کے بچے ہوئے پانی سے کرنا مسنون ہے اور مسح اُذنین کے لیے ماءِ جدید کی ضرورت نہیں ہے، ان کی دلیل یہ حدیث ہے: "الأذنان من الرأس" اس سے استدلال بایں طور ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرمان کے ذریعہ حکم کو بیان کیا ہے یعنی سر اور کان دونوں کا حکم ایک ہے، پیدائش کو بیان کرنا مقصود نہیں ہے؛ کیونکہ نبی علیہ السلام کی بعثت احکام کو بیان کرنے کے لیے ہوئی ہے، نہ کہ موجودات کے حقائق بیان کرنے کے لیے آپ کو مبعوث کیا گیا۔

امام صاحبؒ کے برخلاف ائمہ ثلاثہؒ کہتے ہیں کہ جس طرح ایک اعضاء کے لیے ماءِ جدید کی ضرورت پڑتی ہے اسی طرح مسحِ اُذنین کے لیے بھی ماءِ جدید کی شرط ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے: "سمع عبد الله بن زيدٍ يذكر أنّه رَأىٰ رسول الله صلّى الله عليه وسلم يتوضّأ فأخذ لأذنَيْهِ ماء خلاف الماءِ الذي أخذ لرأسه" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کانوں کا مسح کرنے کے لیے نیا پانی لینا مسنون ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ج) المراد سے کیا کہہ رہے ہیں؟ المراد سے مصنفؒ ائمہ ثلاثہؒ کی دلیل کا جواب دے رہے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ کی حدیث اس صورت پر محمول ہے جبکہ آپ علیہ السلام کے ہاتھوں کی تری خشک ہوگئی ہو اور آپ علیہ السلام نے جدید پانی لے کر ہاتھوں کو تر کر کے پھر مسح کیا ہو؛ ورنہ عام حالتوں میں یہی عادت تھی کہ آپ مسحِ رأس ہی سے اُذنین کا بھی مسح فرماتے۔

سوال ۸، ہدایہ اوّل: ص/۲۱ (سالانہ ۱۴۲۸ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَمَسْحُ الْأُذُنَيْنِ وَهُوَ سُنَّةٌ بِمَاءِ الرَّأْسِ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اَلْأُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ، وَالْمُرَادُ بَيَانُ الْحُكْمِ دُوْنَ الْخِلْقَةِ.

(الف) اعراب لگایئے (ب) ترجمہ کیجیے (ج) کانوں کے مسح کے سلسلے میں اختلافِ ائمہ کو لکھئے (د) دونوں کانوں کا مسح کرنا کیا ہے؟ لکھئے۔

جواب: (ب) ترجمہ: اور دونوں کانوں کا مسح کرنا ''سنت'' ہے اور یہ سنت ہے سر کے پانی سے امام شافعیؒ کا اختلاف ہے؛ اس لیے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے: ''اَلْأُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ'' اور مراد حکم کا بیان ہے نہ کہ پیدائش کا۔

(ج) کانوں کے مسح کے سلسلے میں اختلافِ ائمہ: کانوں کا مسح ہمارے نزدیک سر کے پانی کے ساتھ مسنون ہے اور امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ نے فرمایا کہ نیا پانی لے کر کانوں کا مسح کرنا سنت ہے۔ ان کے والد نے بیان کیا ''إِنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ يَذْكُرُ أَنَّهُ رَأَى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ فَأَخَذَ لِأُذُنَيْهِ مَاءً خِلَافَ الْمَاءِ الَّذِيْ أَخَذَ لِرَأْسِهِ'' یعنی عبداللہ بن زید کو ذکر کرتے ہوئے سنا کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے ہوئے دیکھا، سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کانوں کا مسح کرنے کے لیے اُس پانی کے علاوہ پانی لیا جو سر کا مسح کرنے کے لیے لیا تھا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کانوں کا مسح کرنے کے لیے نیا پانی لینا مسنون ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہماری دلیل حدیث ابنِ عباس رضی اللہ عنہما ہے: "إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلْأُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ" اور اس حدیث سے مراد حکم بیان کرنا ہے یعنی سر اور کان دونوں کا حکم ایک ہے، پیدائش کو بیان کرنا مقصود نہیں؛ کیونکہ آپ کی بعثت احکام بیان کرنے کے واسطے ہوئی ہے موجودات کے حقائق بیان کرنے کے لیے آپ کو مبعوث نہیں کیا گیا۔

سوال: لیکن اگر کوئی سوال کرے کہ جب سر اور کان دونوں کا حکم ایک ہے تو دونوں کانوں پر مسح کرنا سر کے مسح کے قائم مقام ہوجانا چاہیے؛ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

جواب: اس کا یہ ہے کہ سر کے مسح کا وجوب دلیلِ قطعی سے ثابت ہے اور کانوں کا مسح خبر واحد سے ثابت ہے جو مسنون ہے اور مسنون سے فرض ادا نہیں ہوسکتا۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْحَطِيْمُ مِنَ الْبَيْتِ یعنی حطیم کعبہ، کعبہ میں داخل ہے حتیٰ کہ جس طرح بیت اللہ کا طواف کیا جاتا ہے، اسی طرح حطیم کعبہ کا طواف بھی کیا جائے گا؛ لیکن صرف حطیم کی طرف منہ کرکے نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے؛ اس لیے کہ وُجُوْبُ صَلٰوةٍ إِلَى الْكَعْبَةِ، دلیلِ قطعی سے ثابت ہے اور حطیم کا داخل کعبہ ہونا خبر واحد سے ثابت ہے اور خبر واحد پر عمل اس وقت واجب ہوگا جبکہ دلیلِ قطعی پر عمل باطل نہ ہو اور اگر خبر واحد پر عمل کرنے سے دلیلِ قطعی پر عمل باطل ہوجاتا ہے تو خبر واحد پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

(د) **دونوں کانوں کا مسح کرنا کیا ہے؟** دونوں کانوں کا مسح کرنا سنت ہے۔

سوال ۹، ہدایہ اوّل: ص/۲۲ (ششماہی ۱۴۳۵ھ)

(الف) عبارت باعراب: قَالَ: وَيَسْتَحِبُّ لِلْمُتَوَضِّئِ أَنْ يَنْوِيَ الطَّهَارَةَ، فَالنِّيَّةُ فِي الْوُضُوْءِ سُنَّةٌ عِنْدَنَا، وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ فَرْضٌ، لِأَنَّهُ عِبَادَةٌ فَلَا يَصِحُّ بِدُوْنِ النِّيَّةِ كَالتَّيَمُّمِ، وَلَنَا أَنَّهُ لَا يَقَعُ قُرْبَةً إِلَّا بِالنِّيَّةِ، وَلٰكِنَّهُ يَقَعُ مِفْتَاحًا لِلصَّلٰوةِ لِوُقُوْعِهِ طَهَارَةً بِاسْتِعْمَالِ الْمُطَهِّرِ بِخِلَافِ التَّيَمُّمِ؛ لِأَنَّ التُّرَابَ غَيْرُ مُطَهِّرٍ إِلَّا فِي حَالِ إِرَادَةِ الصَّلٰوةِ أَوْ هُوَ يُنْبِئُ عَنِ الْقَصْدِ.

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(الف) اعراب لگائیے (ب) ترجمہ کیجیے (ج) نیت کی تعریف کرتے ہوئے وضوء کی نیت کے حکم میں علماء کا اختلاف مع دلیل لکھیں (د) مخالف کی دلیل کا جواب دیں۔

جواب: (ب) ترجمہ: اور متوضی کے حق میں مستحب ہے کہ طہارت کی نیت کرے، پس نیت وضو میں ہمارے نزدیک سنت ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک فرض ہے؛ کیونکہ وضو عبادت ہے، پس یہ عبادت بغیر نیت کے صحیح نہیں ہوگی؛ لیکن یہ وضو نماز کے لیے مفتاح (آلہ، ذریعہ) ہوجاتا ہے؛ کیونکہ وہ پاک کرنے والے پانی کے استعمال سے طہارت ہوگیا اس کے برخلاف تیمّم ہے، اس کے لیے کہ مٹی پاک کرنے والی نہیں؛ مگر ارادہ نماز کی حالت میں، یا تیمّم قصد کی خبر دیتا ہے۔

(ج) نیت کی تعریف، نیز نیتِ وضوء کے حکم کا اختلاف: نیت یہ ہے کہ دل سے وضو کا ارادہ کرے یا حدث دُور کرنے کا ارادہ کرے یا ایسی عبادت کا قصد کرے جو بغیر طہارت کے صحیح نہ ہو۔ وضو کی نیت کے حکم میں علماء کا اختلاف ہے؛ چنانچہ علماءِ احناف کے نزدیک وضو میں نیت کرنا مسنون ہے اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک فرض ہے، ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ" ہے یعنی اعمال نیتوں پر موقوف ہیں اور وضو بھی ایک عمل ہے؛ لہٰذا یہ بھی نیت پر موقوف ہوگا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ وضو ایک عبادت ہے اور عبادت بغیر نیت کے صحیح نہیں ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ" اور اخلاص بغیر نیت کے ممکن نہیں ہوتا؛ اس لیے ہم نے کہا کہ کوئی عبادت بغیر نیت معتبر نہ ہوگی جیسے تیمّم میں بالاتفاق نیت فرض ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وضو کے بارے میں دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نیت کی تعلیم نہیں دی۔ (شرح نقایہ) اس سے معلوم ہوا کہ نیت وضو میں فرض نہیں ہے؛ ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو نیت کی تعلیم ضرور فرماتے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

دوسری دلیل یہ ہے کہ وضو نماز کی شرط ہے اور نماز کی باقی شرطیں نیت کی محتاج نہیں ہیں؛ لہٰذا وضو بھی محتاج نیت نہیں ہوگا۔ صاحبِ ہدایہ کی پیش کردہ دلیل درحقیقت امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب ہے۔ حاصل دلیل یہ ہے کہ بلاشبہ وضو کا عبادت ہونا بغیر نیت کے نہیں ہوسکتا؛ لیکن وضو بغیر نیت کے مفتاحِ صلوٰۃ ہوسکتا ہے؛ کیونکہ نماز کی مفتاح طہارت ہے اور طہارت، نیت اور بغیر نیت دونوں طرح متحقق ہوجاتی ہے؛ اس لیے کہ پانی اپنی ذات سے پاک کرنے والا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ طَهُوْرًا﴾ لہٰذا پاک کرنے والے پانی کے استعمال سے وضو کا طہارت ہونا واقع ہوگیا، خواہ طہارت کی نیت کرے یا نیت نہ کرے۔

(د) مخالف کی دلیل کا جواب: بخلاف التیمم سے امام شافعیؒ کے قیاس کا جواب ہے۔ حاصلِ جواب یہ ہے کہ وضو کو تیمّم پر قیاس کرنا، قیاس مع الفارق ہے؛ اس لیے کہ وضو پانی سے ہوتا ہے اور پانی بذاتہٖ پاک کرنے والا ہے اور تیمّم مٹی سے ہوتا ہے اور مٹی بذاتہٖ پاک کرنے والی نہیں ہے؛ مگر ارادہ صلوٰۃ کی حالت میں، پس مٹی سے پاک کرنا امر تعبدی (خلافِ قیاس) ہے اور اُمورِ تعبدیہ، نیت کے محتاج ہوتے ہیں، اس وجہ سے تیمّم پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ تیمّم کے لغوی معنیٰ قصد اور ارادے کے ہیں اور اُمورِ شرعیہ میں معنیٰ لغوی ملحوظ ہوتے ہیں؛ اس لیے تیمّم میں نیت اور قصد کی شرط لگائی گئی ہے۔

اور حدیث "إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ" کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں اعمال سے مراد عبادات ہے؛ کیونکہ بہت سے مباحات شرعاً بغیر نیت کے معتبر ہوتے ہیں، مثلاً نکاح، طلاق؛ بلکہ طاعات مستقلہ مراد ہیں اور وضو طاعت مستقلہ نہیں ہے؛ بلکہ نماز کے لیے وسیلہ ہے۔

اور صاحبِ شرح وقایہ نے کہا اعمال سے پہلے لفظ ثواب مقدر ہے، اب مطلب یہ ہوگا کہ اعمال کا ثواب نیت پر موقوف ہے اور نفس عمل نیت پر موقوف نہیں ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال ۱۰، ہدایہ اوّل: ص ۲۳/ (ششماہی ۱۴۳۶ھ)

(الف) **عبارت باعراب:** وَيُرَتِّبُ الْوُضُوْءَ فَيَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِذِكْرِهٖ وَبِالْمَيَامِنِ فَالتَّرْتِيْبُ فِي الْوُضُوْءِ سُنَّةٌ عِنْدَنَا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ فَرْضٌ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى ﴿فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ﴾ الْآيَةَ وَالْفَاءُ لِلتَّعْقِيْبِ، وَلَنَا أَنَّ الْمَذْكُوْرَ فِيْهَا حَرْفُ الْوَاوِ وَهِيَ لِمُطْلَقِ الْجَمْعِ بِاجْمَاعِ أَهْلِ اللُّغَةِ فَتَقْتَضِيْ إِعْقَابَ غَسْلِ جُمْلَةِ الْأَعْضَاءِ.

(الف) اعراب لگائیں (ب) ترجمہ کریں (ج) ترتیب کے سلسلے میں احناف و شوافع کے اختلاف مع دلائل لکھیں (د) شوافع کی دلیل کا جواب دیں۔

جواب: (ب) ترجمہ: اور جب آدمی وضو کرے تو ترتیب سے کرے؛ چنانچہ شروع کرے اس عضو سے جس سے اللہ رب العزت نے پہلے ذکر کیا ہے اور داہنی جانب سے وضو کرے اور وضو میں ترتیب ہمارے نزدیک سنت ہے اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ترتیب فرض ہے اللہ کے قول کی وجہ سے، اور اس آیت میں فاء تعقیب کے لیے ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ آیت میں حرفِ واؤ مذکور ہے اور یہ مطلق جمع کے لیے ہے اہلِ لغت کے اجماع سے، پس یہ تمام اعضاء دھونے کے بعد میں ہونے کا تقاضہ کرے گا۔

(ج) **ترتیب کے سلسلے میں احناف وشوافع کے اختلاف مع دلائل:** ترتیب کے سلسلے میں دو مذہب ہیں، پہلا مذہب امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک اعضاءِ وضو دھونے میں ترتیب اختیار کرنا مسنون ہے۔ دلیل آیتِ وضو ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آیتِ وضو میں صرف واو کو ذکر کیا ہے اور واؤ کے ذریعہ اعضاءِ وضو کو ایک دوسرے پر عطف کیا ہے؛ چناں چہ ارشاد ہے: ﴿فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ الخ﴾ پس یہاں حرفِ واو کے ذریعہ "ایدیکم" کا عطف "وجوھکم" پر کیا گیا ہے اور اس بات پر تمام اہلِ لغت کا اتفاق ہے کہ حرفِ واو مطلق جمع کے لیے آتا ہے اور جب واو مطلق جمع کے لیے آتا ہے تو جمع کا تقاضہ یہ ہے کہ اعضاءِ وضو میں ترتیب

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کو فرض قرار نہ دیا جائے؛ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وضو کی جو روایات منقول ہیں ان میں چوں کہ ترتیب سے وضو کرنا مذکور ہے؛ اس لیے ترتیب مسنون ہے۔

مذہب دوم حضرت امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا ہے کہ یہ حضرات وضو میں اعضاء کو دھونے کے دوران ترتیب فرض قرار دیتے ہیں، ان کی دلیل آیتِ وضو ہے بایں طور کہ اللہ رب العزت نے آیتِ وضو (فَاغْسِلُوْا) میں فاء تعقیب کے ساتھ ذکر کیا ہے اور فاء تعقیب ترتیب کے لیے آتا ہے، پس اس سے معلوم ہوا کہ قیام الی الصلاۃ اور غسلِ وجہ کے مابین بھی ترتیب ثابت ہے اور جب ان کے درمیان ترتیب ثابت ہے تو دیگر اعضاء میں بھی ترتیب ثابت ہوگی اور کسی شئ کے اجزاء کے مابین ترتیب کا ثبوت ان کے مابین ترتیب کے لزوم کی دلیل ہوتا ہے، لہٰذا اسی وجہ سے یہ حضرات اعضاءِ وضو کے مابین ترتیب کے فرض ہونے کے قائل ہیں۔

(د) شوافع کی دلیل کا جواب: مذہبِ دوم کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ آپ نے جو فاء کو تعقیب کے لیے مانا ہے یہ تعقیب کے لیے نہیں ہے؛ بل کہ یہ "اِذَا قُمْتُمْ" شرط کے جواب میں واقع ہوا ہے، اور اگر بالفرض اس کو برائے تعقیب مان بھی لیا جائے، تب بھی اس سے آپ کا مدعیٰ ثابت نہیں ہوگا، بایں وجہ کہ اس صورت میں اس سے صرف قیام الی الصلاۃ اور غسلِ وجہ کے مابین ترتیب ثابت ہوگی، اعضاءِ وضو دھونے کے مابین ترتیب ثابت نہیں ہوگی۔

سوال ۱۱، ہدایہ اوّل: ص ۲۴/ (سالانہ ۱۴۳۵ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَالدَّمُ وَالْقَيْحُ إِذَا خَرَجَا مِنَ الْبَدَنِ فَتَجَاوَزَا إِلَىٰ مَوْضِعٍ يَلْحَقُهُ حُكْمُ التَّطْهِيرِ، وَالْقَيْئُ مِلْءُ الْفَمِ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ الْخَارِجُ مِنْ غَيْرِ السَّبِيلَيْنِ لَايَنْقُضُ الْوُضُوْءَ لِمَا رُوِيَ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَاءَ فَلَمْ يَتَوَضَّأْ وَلِأَنَّ غَسْلَ غَيْرِ مَوْضِعِ الْإِصَابَةِ أَمْرٌ تَعَبُّدِيٌّ فَيَقْتَصِرُ عَلَىٰ مَوْرِدِ الشَّرْعِ، وَهُوَ مَخْرَجُ الْمُعْتَادِ: وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ "اَلْوُضُوْءُ مِنْ كُلِّ دَمٍ سَائِلٍ.

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(الف) اعراب لگائیں (ب) ترجمہ کریں (ج) مطلب تحریر کریں (د) امر تعبدی اور مخرجِ معتاد کے مرادی معنیٰ لکھیں (ہ) خارج من غیر السبیلین میں اختلافِ ائمہ کو لکھیں۔

جواب: (ب) ترجمہ: اور نواقضِ وضو میں سے خون اور پیپ ہے جب کہ بدن سے نکل کر اس جگہ تک تجاوز کر جائیں جس کو پاک کرنے کا حکم ہے اور منہ بھر قے بھی ناقضِ وضو ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ غیر سبیلین سے نکلنے والی شئے ناقضِ وضو نہیں، اس روایت کی وجہ سے جو منقول ہے کہ حضور علیہ السلام نے قے کی؛ لیکن وضو نہیں کیا اور اس لیے کہ موضعِ نجاست کے علاوہ کا دھونا امر تعبدی ہے، لہٰذا مورِدِ شرع پر منحصر رہے گا اور وہ مخرج معتاد ہے اور ہماری دلیل آپ علیہ السلام کا فرمان ہے کہ ہر بہنے والے خون سے وضو واجب ہے۔

(ج) مطلب: اس عبارت میں مصنفؒ خون اور قے کے بارے میں بتا رہے ہیں (خارج من غیر السبیلین کے بارے میں) کہ خارج من غیر السبیلین میں سے بعض چیزیں ناقضِ وضو ہیں، ان میں یہ بھی ہے کہ زندہ آدمی کے بدن سے خون یا پیپ نکلے، پھر ظاہر ہو کر ایسے مقام کی طرف تجاوز کر جائے جس کو پاک کرنے کا حکم ہے یعنی سبیلین کے علاوہ دوسرے مقام سے خروج میں فقط نجاست کا ظاہر ہونا کافی نہیں؛ بل کہ سیلان شرط ہے؛ چناں چہ خون اگر زخم کے سر پر چڑھا، مگر بہا نہیں تو وضو نہیں ٹوٹے گا، اسی طرح نواقضِ وضو میں منہ بھر قے کرنا ہے اور منہ بھر قے یہ ہے کہ جس کو بغیر مشقت اور کلفت کے روکا نہ جا سکے۔

(د) امر تعبدی اور مخرجِ معتاد کے مرادی معنیٰ: امر تعبدی اللہ تعالیٰ کسی بات کا حکم دیں اور اس کی علت و حکمت سمجھے بغیر اس کو کرتے رہیں۔ (خلافِ قیاس)

اور مخرجِ معتاد وہ جگہ ہے جہاں سے عادۃً نجاست نکلتی ہے، اس سے سبیلین مراد ہے۔

(ہ) خارج من غیر السبیلین میں اختلافِ ائمہ: خارج من غیر السبیلین کے سلسلے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک خارج من غیر السبیلین اس وقت ناقضِ وضو ہے جب کہ یہ نکلیں اور نکل کر بہہ جائیں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اس کے برخلاف امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ خارج من غیر السبیلین مطلقاً ناقضِ وضو نہیں ہے خواہ کچھ بھی نکلے، یہی امام مالکؒ کا قول ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ حدیث ہے کہ ''آپ علیہ السلام نے قے کی؛ مگر وضو نہیں فرمایا''، اور امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ خارج من غیر السبیلین مطلقاً ناقضِ وضوء ہے خواہ کوئی بھی چیز نکلے اور کسی بھی طرح نکلے، خواہ بہے یا نہ بہے۔

احناف کی دلیل: احناف کی دلیل ''الوضوء من کُلّ دمٍ سائلٍ'' میں بہنے والے خون کو موجبِ وضوء قرار دیا ہے، اور بقول صاحبِ عنایہ اس جیسی عبارت سے فرض اور واجب ہی ہے۔

سوال ۱۲، ہدایہ اوّل: ص/۲۵ (داخلہ امتحان ۱۴۴۰ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَلَوْقَاءَ مُتَفَرِّقًا بِحَيْثُ لَوْ جُمِعَ يَمْلَأُ الْفَمَ فَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ يُعْتَبَرُ إِتِّحَادُ الْمَجْلِسِ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ يُعْتَبَرُ إِتِّحَادُ السَّبَبِ وَهُوَ الْغِثْيَانُ ثُمَّ مَالَايَكُوْنُ حَدَثًا لَايَكُوْنُ نَجَسًا يُرْوىٰ ذٰلِكَ عَنْ أَبِيْ يُوْسُفَ وَهُوَ الصَّحِيْحُ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِنَجِسٍ حُكْمًا حَيْثُ لَمْ يَنْتَقِضْ بِهِ الطَّهَارَةُ.

(الف) اعراب لگائیے (ب) ترجمہ کیجیے (ج) متفرق مقامات میں کی ہوئی قے کے بارے میں اختلاف لکھیں

جواب: (ب) **ترجمہ:** اور اگر متوضی نے کئی بار قے کی، ایسے طریقہ پر کہ اگر جمع کی جائے تو منہ بھر دے، تو ابو یوسفؒ کے نزدیک مجلس کا متحد ہونا معتبر ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک سبب کا متحد ہونا معتبر ہے اور سبب متلی ہے، پھر جو چیز حدث نہ ہو تو وہ چیز نجس نہ ہوگی، یہ حکم امام ابو یوسفؒ سے روایت کیا جاتا ہے اور یہی صحیح ہے؛ کیونکہ وہ حکماً نجس نہیں ہے؛ اس لیے کہ اس سے طہارت نہیں ٹوٹتی۔

(ج) متفرق مقامات میں کی ہوئی قے کے بارے میں اختلاف: مسئلہ یہ ہے کہ اگر متوضی نے کئی بار قے کی اور ہر بار منہ بھر سے کم کی، جو ایسی حالت پر ہے کہ اگر جمع

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کردی جائے تو منہ بھر دے، پس اس صورت میں امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مجلس کا متحد ہونا معتبر ہے؛ چنانچہ اگر ایک مجلس میں متعدد بار قے کی ہو خواہ سبب ایک ہو یا نہ ہو تو جمع کی جائے گی؛ اس لیے کہ متفرقات کو اکٹھا کرنے میں مجلس کو بہت بڑا دخل ہے، مثلاً اگر ایک مجلس میں ایک آیتِ سجدہ بار بار پڑھی تو ایک ہی سجدہ واجب ہوگا اور امام محمدؒ کے نزدیک سبب کا متحد ہونا معتبر ہے اور قے کا سبب متلی ہے، پس اگر ہر بار کی قے کا سبب ایک ہو، چاہے ایک مجلس میں ہو یا کئی مجلسوں میں ہو تو اس کو جمع کیا جائے گا، اگر منہ بھر ہو جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ دلیل یہ ہے کہ حکم ثبوت سبب کے مطابق ہوتا ہے، اس وجہ سے سبب کے متحد ہونے سے حکم متحد ہو جائے گا۔

صاحبِ ہدایہ نے ایک ضابطہ بیان کیا ہے اور یہ ضابطہ امام ابو یوسفؒ سے روایت کیا جاتا ہے، ضابطہ یہ ہے کہ جو چیز حدث یعنی ناقضِ وضو نہ ہو وہ ناپاک بھی نہیں ہوگی؛ چنانچہ قے قلیل اور دم غیر سائل نجس نہیں ہوگا؛ کیونکہ یہ ناقض نہیں ہے اور یہ قول زیادہ صحیح ہے؛ اس لیے کہ حکمِ شرع کی رو سے یہ نجس نہیں ہے؛ کیونکہ اس سے طہارت نہیں ٹوٹتی۔ وھو الأصح کہنے میں امام محمدؒ کے قول سے احتراز ہے؛ اس لیے کہ امام محمدؒ قے قلیل اور دمِ غیر سائل کو نجس کہتے ہیں۔

سوال ۱۳، ہدایہ اوّل: ص/۲۶ (خود ساختہ)

(الف) عبارت باعراب: وَلَوْقَاءَ دَمًا وَهُوَ عَلَقٌ يُعْتَبَرُ فِيهِ مِلْأُ الْفَمِ؛ لِأَنَّهُ سَوْدَاءُ مُحْتَرِقَةٌ، وَإِنْ كَانَ مَائِعًا فَكَذٰلِكَ عِنْدَ مُحَمَّدٍؒ، اِعْتِبَارًا بِسَائِرِ أَنْوَاعِهِ، وَعِنْدَهُمَا إِنْ سَالَ بِقُوَّةِ نَفْسِهِ يَنْقُضُ الْوُضُوْءَ وَإِنْ كَانَ قَلِيْلًا؛ لِأَنَّ الْمِعْدَةَ لَيْسَتْ بِمَحَلِّ الدَّمِ، فَيَكُوْنُ مِنْ قُرْحَةٍ فِي الْجَوْفِ.

(الف) اعراب لگائیے (ب) ترجمہ کیجیے (ج) تشریح کیجیے۔

جواب: (ب) ترجمہ: اور اگر خون قے کیا اور وہ بندھا ہوا ہے تو اس میں منہ بھر معتبر ہوگا؛ کیونکہ وہ جلا ہوا سوداء ہے اور اگر وہ خون بہنے والا ہو تو امام محمدؒ کے نزدیک ایسا ہی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہے۔ قے کی تمام انواع پر قیاس کرتے ہوئے اور شیخینؒ کے نزدیک اگر خون اپنی قوت سے بہا تو وضو ٹوٹ جائے گا، اگرچہ قلیل ہو؛ اس لیے کہ معدہ خون کی جگہ نہیں ہے، پس وہ جوف کے زخم سے ہوگا۔

(ج) تشریح: صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر خون قے کیا تو اس خون کی دو قسمیں ہیں یا تو وہ خون منجمد ہوگا یا بہنے والا، اگر منجمد ہے تو اس میں منہ بھرنا معتبر ہوگا؛ کیونکہ وہ جلا ہوا سوداء ہے اور یہ معدہ سے نکلتا ہے اور معدہ سے نکلنے والی چیز ناقضِ وضو ہے، بشرطیکہ وہ منہ بھر ہو اور اگر خون بہنے والا ہے تو امام محمدؒ اس میں بھی منہ بھرنے کا اعتبار کرتے ہیں۔ یعنی اگر اتنا خون ہے جو منہ بھر دے تو ناقض ہوگا؛ ورنہ نہیں۔ دلیل یہ ہے کہ امام محمدؒ نے خون کی قے کو دوسری قیوں پر قیاس کیا ہے اور دوسری پانچ قے یہ ہیں:

۱-کھانے کی ۲-پانی کی ۳-پت کی ۴-صفراء کی ۵-سوداء کی

یعنی جس طرح ان پانچوں میں نقضِ وضو کے لیے منہ بھرنا شرط ہے اسی طرح اس میں بھی منہ بھرنا معتبر ہوگا۔

اور شیخینؒ نے فرمایا کہ اگر خون نکل کر اپنی قوت سے بہہ پڑا تو وضو ٹوٹ جائے گا، اگرچہ وہ قلیل ہو۔ دلیل یہ ہے کہ معدہ خون کی جگہ نہیں ہے، لہٰذا یہی کہا جائے گا کہ یہ خون، پیٹ کے کسی زخم سے نکلا ہوگا، پس اس کو اس خون پر قیاس کیا جائے گا جو ظاہر زخم سے نکلا ہو اور جو خون ظاہر زخم سے نکلا ہو؛ چونکہ اس میں نقضِ وضو کے لیے سیلان معتبر ہے، اس وجہ سے یہاں بھی سیلان معتبر ہوگا خواہ منہ بھر نہ ہو۔

سوال ۱۴، ہدایہ اوّل: ص/۲۶ (ششماہی ۱۴۳۳ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَهٰذَا إِذَا قَاءَ مُرَّةً أَوْ طَعَامًا أَوْ مَاءً، فَإِنْ قَاءَ بَلْغَمًا فَغَيْرُ نَاقِضٍ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ نَاقِضٌ إِذَا كَانَ مِلْأَ الْفَمِ، وَالْخِلَافُ فِي الْمُرْتَقِي مِنَ الْجَوْفِ أَمَّا النَّازِلُ مِنَ الرَّأْسِ فَغَيْرُ نَاقِضٍ بِالْإِتِّفَاقِ، لِأَنَّ الرَّأْسَ لَيْسَ بِمَوْضِعِ النَّجَاسَةِ لِأَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ نَجِسٌ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

بِالْمُجَاوَرَةِ، وَلَهُمَا أَنَّهُ لَزِجٌ لَاتَتَخَلَّلُهُ النَّجَاسَةُ وَمَا يَتَّصِلُ بِهِ قَلِيلٌ وَالْقَلِيلُ فِي الْقَيْءِ غَيْرُ نَاقِضٍ.

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مرّۃ مجاورۃ لزج اور ملأ الفم کے لغوی ومرادی معنیٰ تحریر کریں (ج) بلغم کی قے کے سلسلے میں اختلاف مع الدلائل قلم بند کریں۔

جواب: (ب) ترجمہ: اور منہ بھر کر ہونے والی قے سے وضو کے ٹوٹنے کا یہ حکم اس وقت ہے جبکہ آدمی نے پت یا کھانے یا پانی کی قے کی ہو اور اگر اس نے بلغم کی قے کی تو یہ حضرت امام صاحبؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ناقضِ وضوء نہیں ہے اور امام یوسفؒ کے نزدیک ناقضِ وضوء ہے جبکہ منہ بھر کر ہو اور اختلاف اس بلغم میں ہے جو جوفِ معدہ سے چڑھ کر قے ہوئی ہو، رہا وہ بلغم جو سر سے اُترتا ہے تو وہ بالاتفاق ناقضِ وضو نہیں ہے؛ اس لیے کہ سر نجاست کی جگہ نہیں ہے اور امام یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ جوفِ معدہ سے اوپر چڑھنے والا بلغم اتصال کی وجہ سے نجس ہے اور حضراتِ طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ بلغم ایک چکنی چیز ہوتی ہے، پس اس کے اندر نجاست داخل نہیں ہوگی اور جو نجاست اس کے ساتھ متصل ہے وہ قلیل ہے اور قے کی قلیل مقدار ناقضِ وضو نہیں ہے۔

(ب) مرّۃ مجاورۃ لزج اور ملأ الفم کے لغوی ومرادی معنیٰ: مرّۃ بمعنیٰ انسان کے اندر موجود صفراء یا سوداء ہیں، جمعہ مِرَارٌ، اُردو میں اس کو پت کہتے ہیں اور محاورہ لغت میں پڑوس میں رہنے والے کے ہیں؛ لیکن اس سے یہاں اتصال مراد ہے، اور ملأ الفم کے معنیٰ منہ بھرنے کے آتے ہیں اور جب اس کو لفظِ قے کے ساتھ ملا کر بولا جاتا ہے تو اس سے مراد وہ قے ہوتی ہے جس کو آنے سے روکنا مبتلیٰ بہ کے بس میں نہیں ہوتا ہے۔

(ج) بلغم کی قے کے سلسلے میں اختلاف مع الدلائل: بلغم کی قے کے سلسلے میں حضرات ائمہ کرام کا اختلاف ہے، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ خالص بلغم کی قے ناقضِ وضو نہیں ہے، یہ امام صاحبؒ اور امام محمدؒ کا قول ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ بلغم چکنا ہوتا ہے، اس میں نجاست سرایت نہیں کرتی ہے اور قے میں اس کے اوپر جو نجاست لگی ہوئی ہوتی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہے تو وہ قلیل ہوتی ہے اور قے کو نجاست ہی کی بنیاد پر ناقضِ وضو قرار دیا جاتا ہے اور قلیل قے ناقضِ وضو ہوتی ہے، پس بایں وجہ بلغم کی قے بھی ناقضِ وضو نہیں ہے۔

اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ بلغم کی قے ناقضِ وضو ہے، یہی امام یوسفؒ کا مسلک ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ بلغم اگرچہ خود نجس نہیں ہے؛ مگر معدہ کی نجاست کے ساتھ متصل ہونے کی وجہ سے نجس ہوگیا اور اس مقام (منھ) کی طرف نکلا جس کو غسل میں پاک کرنے کا حکم ہے (غسل میں کلی کرنا فرض ہے) بس جب خروجِ نجاست پایا گیا تو ناقضِ وضو ہوگا جیسے کھانے اور پت کی قے۔

نوٹ: یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب کہ بلغم جوفِ معدہ سے چڑھ کر قے ہوا ہو اور اگر بلغم دماغ سے اُتر کر قے ہوا ہو تو اس کے ناقضِ وضو ہونے میں سب کا اتفاق ہے۔

سوال ۱۵، ہدایہ اوّل: ص/۲۶ (داخلہ امتحان ۱۴۳۳ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَالْغَلَبَةُ عَلَى الْعَقْلِ بِالْإِغْمَاءِ وَالْجُنُوْنِ لِأَنَّهُ فَوْقَ النَّوْمِ مُضْطَجِعًا فِي الْإِسْتِرْخَاءِ، وَالْإِغْمَاءُ حَدَثٌ فِي الْأَحْوَالِ كُلِّهَا، وَهُوَ الْقِيَاسُ فِي النَّوْمِ إِلَّا أَنَا عَرَفْنَاهُ بِالْأَثَرِ، وَالْإِغْمَاءُ فَوْقَهُ فَلَا يُقَاسُ عَلَيْهِ.

(الف) اعراب لگائیے (ب) ترجمہ کیجیے (ج) استرخاء کی تشریح کرتے ہوئے بتائیے کہ اغماء اور جنون کو کس بات میں برتر کہا گیا ہے؟ نیز واضح تشریح بھی کیجیے۔

جواب: (ب) ترجمہ: اور اغماء اور جنون کا عقل پر غالب آجانا (یہ دونوں ناقضِ وضو ہیں)؛ کیونکہ یہ استرخاء میں کروٹ پر سونے سے بڑھ کر ہے، اور اغماء تمام حالتوں میں ناقضِ وضوء ہے اور نیند میں بھی یہی تقاضا ہے؛ مگر ہم نے اس کو اثر کی وجہ سے پہچانا اور اغماء اس سے بڑھ کر ہے؛ اس لیے اغماء کو نیند پر قیاس نہیں کیا جائے گا۔

(ج) استرخاء کی تشریح: استرخاء کے معنیٰ جوڑ ڈھیلا ہونے کے آتے ہیں اور یہاں اس سے نیند کی حالت میں انسانی اعضاء کے جوڑوں کا ڈھیلا ہونا مراد ہے جس سے ریح کے نکلنے کا قوی احتمال ہوجاتا ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اغماء اور جنون کو کس بات میں برتر کہا گیا ہے؟ اغماء اور جنون کو استرخاءِ مفاصل (جوڑ کے ڈھیلا ہونے میں) نیند سے برتر قرار دیا گیا ہے۔

تشریح: اس پوری عبارت کا مطلب یہ ہے کہ بے ہوشی خواہ رکوع، سجدے، قیام اور قعود میں طاری ہوئی ہو یا کروٹ کے بل سوکر، خواہ نماز میں ہوئی ہو یا نماز سے باہر ہر حال میں بے ہوشی ناقضِ وضوء ہے؛ کیونکہ بے ہوشی کی حالت میں عقل مکمل طور پر چھپ جاتی ہے اس پر قیاس کرتے ہوئے نیند کا بھی یہی حکم ہونا چاہیے کہ ہر حال میں ناقضِ وضوء ہو؛ لیکن حدیث میں ہے کہ رکوع سجدے کی حالت میں نیند ناقضِ نہیں ہے، اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا؛ اس لیے نیند کا حکم وہی رہے گا اور بے ہوشی میں عقل کا زوال نیند سے بہت زیادہ ہے؛ اس لیے بے ہوشی کو نیند پر قیاس نہیں کر سکتے اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ بے ہوشی، رکوع اور سجدے کی حالت میں ناقضِ وضو نہیں ہے۔

عبارت میں مذکور اثر سے مراد یہ اثر ہے: "قوله عليه السلام: لا وضوء على من نام قائمًا أو قاعداً أو راكعًا أو ساجدًا إنما الوضوء على من نام مضطجعا؛ فإنه إذا نام مضطجعًا استرخت مفاصله".

سوال ۱۶، ہدایہ اوّل: ص/۲۶ (داخلہ امتحان ۱۴۲۸ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَالْقَهْقَهَةُ فِي كُلِّ صَلَاةٍ ذَاتِ رُكُوعٍ وَسُجُوْدٍ وَالْقِيَاسُ أَنَّهَا لَاتَنْقُضُ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِخَارِجٍ نَجِسٍ، وَلِهٰذَا لَمْ يَكُنْ حَدَثًا فِي صَلَاةِ الْجَنَازَةِ وَسَجْدَةِ التِّلَاوَةِ وَخَارِجِ الصَّلَاةِ وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ "أَلَا مَنْ ضَحِكَ مِنْكُمْ قَهْقَهَةً فَلْيُعِدُ الْوُضُوْءَ وَالصَّلَاةَ جَمِيْعًا وَبِمِثْلِهِ يُتْرَكُ الْقِيَاسُ.

(الف) اعراب لگائیے (ب) ترجمہ کیجیے (ج) قہقہہ کے ناقضِ وضو ہونے میں اختلافِ ائمہ مع دلائل تحریر کریں (د) فریقِ مخالف کا جواب دیں (ہ) قہقہہ اور ضحک کی تعریف کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جواب: (ب) ترجمہ: اور قہقہہ ہر رکوع وسجود والی نماز میں ناقضِ وضوء ہے اور قیاس یہ ہے کہ یہ ناقضِ وضوء نہ ہو، یہی امام شافعیؒ کا قول ہے؛ کیونکہ یہ نکلنے والی ناپاک چیز نہیں ہے، اور یہی وجہ ہے کہ قہقہہ نمازِ جنازہ، سجدۂ تلاوت اور نماز سے باہر ہونے کی حالت میں ناقضِ وضو نہیں ہے اور ہماری دلیل آپ علیہ السلام کا قول ہے: سن لو! تم میں سے جو بھی قہقہہ کے ساتھ ہنسے تو اس کو چاہیے کہ وضو اور نماز دونوں کا اعادہ کرے، اور اس جیسی روایت کی وجہ سے قیاس کو ترک کر دیا جاتا ہے۔

(ج) قہقہہ کے ناقضِ وضو ہونے میں اختلافِ ائمہ مع دلائل: اس عبارت میں مصنفؒ قہقہہ کے ناقضِ وضوء ہونے اور نہ ہونے کے بارے میں بتلا رہے ہیں، فرماتے ہیں کہ اس سلسلے میں کل دو مذہب ہیں:

(۱) رکوع اور سجدے والی نماز میں قہقہہ لگانا ناقضِ وضوء ہے، یہی امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا مسلک ہے، ان کی دلیل نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ: "ألا من ضحک منکم قهقهة لا"، آگاہ رہو! تم میں سے جو بھی نماز میں قہقہہ لگائے تو اس کو چاہیے کہ اپنے وضو اور نماز دونوں کا اعادہ کرے، استدلال اس طور پر ہے کہ آپ علیہ السلام نے نماز میں قہقہہ لگا کر ہنسنے کے بعد وضوء اور نماز دونوں کو لوٹانے کا امر فرمایا ہے، اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نماز میں قہقہہ لگانا ناقضِ وضوء ہے؛ کیوں کہ اگر یہ ناقض نہ ہوتا تو آپ علیہ السلام امت کو کبھی بھی قہقہہ کے بعد وضو اور نماز کے اعادہ کا حکم نہ فرماتے۔

اور اس کے برخلاف دوسرا مذہب ہے، وہ یہ ہے کہ قہقہہ کسی بھی نماز میں ناقضِ وضو نہیں ہے، یہی مذہب امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام شافعیؒ کا ہے، ان حضرات کی دلیل، عقلی دلیل ہے، عقلی دلیل یہ ہے کہ وضو خروجِ نجاست سے (خواہ نماز میں ہو یا نماز سے باہر ہو) ختم ہو جاتا ہے اور قہقہہ نہ خود نجس ہے اور نہ اس سے کسی طرح کی نجاست خارج ہوتی ہے، پس بایں وجہ یہ ناقض نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کو احناف نے بھی نمازِ جنازہ، سجدۂ تلاوت اور خارجِ نماز میں ناقضِ وضو نہیں مانتے؛ حالانکہ اگر یہ ناقض

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہوتا تو ان حالات میں بھی اس کو ضرور ناقضِ قرار دیا جاتا، پس اس کا ان حالات میں ناقض نہ ہونا اس کے مطلق ناقض نہ ہونے کی دلیل ہے۔

(د) فریقِ مخالف کا جواب: فریقِ مخالف کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ جناب! آپ کی بات صحیح ہے کہ قہقہہ ناقضِ وضو نہیں ہونا چاہیے؛ اس لیے کہ یہ نہ خود نجس ہے اور نہ اس سے کسی طرح کی نجاست کا خروج ہوتا ہے اور قیاس کا تقاضہ یہی ہے؛ لیکن آپ علیہ السلام کے قول کی وجہ سے ہم نے قیاس کو ترک کر دیا ہے؛ کیونکہ حدیث کے مقابلے میں قیاس پر عمل کرنا صحیح نہیں ہے؛ بل کہ قیاس کو ترک کرنا ضروری ہے۔

(ہ) قہقہہ اور ضحک کی تعریف: لغت میں ضحک اور قہقہہ دونوں کے معنیٰ مطلقاً ہنسنے کے آتے ہیں اور اصطلاح میں بلند آواز سے ہنسنے کو قہقہہ اور آہستہ آواز سے ہنسنے کو ضحک کہتے ہیں۔

سوال ۱۷، ہدایہ اوّل: ص ۲۸/ (داخلہ امتحان ۱۴۳۳ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَالدَّابَّةُ تَخْرُجُ مِنَ الدُّبُرِ نَاقِضَةً فَإِنْ خَرَجَتْ مِنْ رَأْسِ الْجُرْحِ أَوْ سَقَطَ اللَّحْمُ مِنْهُ لَاتَنْقُضُ، وَالْمُرَادُ بِالدَّابَّةِ الدُّوْدَةُ، وَهٰذَا لِأَنَّ النَّجِسَ مَا عَلَيْهَا، وَذَالِكَ قَلِيْلٌ، وَهُوَ حَدَثٌ فِي السَّبِيْلَيْنِ دُوْنَ غَيْرِهِمَا.

(الف) اعراب لگائیے (ب) ترجمہ کیجیے (ج) واضح مطلب لکھئے (د) سبیلین اور غیر سبیلین سے نکلنے والے کیڑے میں فرق کیوں ہے؟ (ہ) دابہ، جساء اور فشاء کی مراد لکھیں۔

جواب: **(ب) ترجمہ:** اور دبر سے نکلنے والا کیڑا بھی ناقضِ وضوء ہے؛ لیکن اگر زخم کے سرے سے کیڑا نکلا یا زخم سے گوشت گر پڑا تو یہ ناقضِ نہیں ہے، اور دابّۃ سے مراد کیڑا ہے اور یہ فرق اس وجہ سے ہے کہ نجاست وہی ہے جو کیڑے کے اوپر ہے اور وہ مقدارِ قلیل ہے جو کہ سبیلین میں حدث ہے نہ کہ ان کے علاوہ میں۔

(ج) مطلب کی وضاحت: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ وہ کیڑا جو پاخانہ کے راستے سے نکلتا ہے وضوء کو توڑ دیتا ہے جیسے ریح اور کنکریوں کا نکلنا ناقضِ وضوء ہے؛ لیکن اگر دبر کے علاوہ کسی اور جگہ سے کوئی کیڑا نکلا یا زخم سے گوشت کا ٹکڑا گر گیا تو وضوء نہیں

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ٹوٹے گا؛ کیونکہ کیڑا بذاتِ خود نجس نہیں؛ بلکہ جو اس پر لگا ہے وہ نجس ہے اور اس نجاست کی وجہ سے دبر سے نکلنے والا کیڑا ناقضِ وضوء ہے۔

(د) سبیلین اور غیر سبیلین سے نکلنے والے کیڑے میں فرق کیوں ہے؟ دبر اور غیر دبر سے نکلنے والے کیڑے کے بارے میں فرق اس وجہ سے ہے کہ کیڑا فی نفسہٖ نجس نہیں ہے؛ بل کہ جو اس پر لگا ہے وہ نجس ہے اور یہ نجس قلیل ہے اور قلیل سبیلین میں ناقضِ وضوء ہے؛ مگر غیر سبیلین میں مقدارِ قلیل ناقض نہیں ہے؛ اس لیے ہم نے کہا کہ کیڑا اگر دبر سے نکلا تو ناقض ہے اور اگر کسی اور جگہ کے زخم سے نکلا تو ناقض نہیں ہے، اس کی مثال ڈکار اور پھسکی کی ہے یعنی ڈکار غیر سبیلین سے نکلتی ہے؛ اس لیے ناقض نہیں ہے اور پھسکی دبر سے نکلتی ہے؛ اس لیے ناقض ہے۔

(ہ) دابہ، جساء اور فشاء کی مراد: دابہ سے مراد کیڑا ہے، جساء سے مراد ڈکار ہے، اور فشاء سے مراد وہ ہوا جس میں آواز نہ ہو۔

سوال ۱۸، ہدایہ اوّل: ص/۲۹ (داخلہ امتحان ۱۴۲۷ھ)

(الف) عبارت باعراب: فَإِنْ قُشِرَتْ نِطْفَةٌ فَسَالَ مِنْهَا مَاءٌ أَوْ صَدِيْدٌ أَوْ غَيْرُهُ إِنْ سَالَ عَنْ رَأْسِ الْجُرْحِ نَقَضَ، وَإِنْ لَمْ يَسِلْ لَايَنْقُضُ، وَقَالَ زُفَرُ يَنْقُضُ فِي الْوَجْهَيْنِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَايَنْقُضُ فِي الْوَجْهَيْنِ، وَهِيَ مَسْئَلَةُ الْخَارِجِ مِنْ غَيْرِ السَّبِيْلَيْنِ وَهٰذِهِ الْجُمْلَةُ نَجِسَةٌ لِأَنَّ الدَّمَ يَنْضَجُ فَيَصِيْرُ قَرْحًا ثُمَّ يَزْدَادُ نَضْجًا فَيَصِيْرُ صَدِيْدًا، ثُمَّ يَصِيْرُ مَاءً، هٰذَا إِذَا قَشَرَهَا وَخَرَجَ بِنَفْسِهٖ، أَمَّا إِذَا عَصَرَهَا وَخَرَجَ بِعَصْرِهٖ فَلَايَنْقُضُ لِأَنَّهٗ مُخْرَجٌ وَلَيْسَ بِخَارِجٍ.

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب تحریر کرتے ہوئے ائمہ کے مذاہب مع دلائل لکھیں (ج) وهي مسألة الخارج الإلخ سے کیا کہنا چاہتے ہیں؟

جواب: ترجمہ: پس اگر کسی چھالے کا چھلکا اُتر گیا اور اس سے پانی یا پیپ بہہ پڑا تو اگر یہ پانی یا پیپ زخم کے سرے سے بہہ جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا اور اگر نہ بہے تو وضو

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

نہیں ٹوٹے گا اور امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں وضو ٹوٹ جائے گا اور حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں وضو نہیں ٹوٹے گا اور یہ مسئلہ خارج من غیر السبیلین کا ہے، اور یہ تمام چیزیں ناپاک ہیں؛ اس لیے کہ خون جب پکتا ہے تو کچ لہو بن جاتا ہے، پھر اور پکتا ہے تو پیپ بن جاتا ہے، پھر (رقیق ہوکر) پانی بن جاتا ہے اور مذکورہ حکم اس صورت میں ہے کہ چھالے کو چھیلا ہو اور پانی یا پیپ اس میں سے خود بخود نکلا ہو اور اگر اس کو نچوڑا اور نچوڑنے کی وجہ سے اس سے خون یا پیپ وغیرہ نکلا تو یہ ناقضِ وضو نہیں ہے؛ اس لیے کہ یہ نکالا گیا ہے، نکلا نہیں ہے۔

(ب) مطلب مع ائمہ کے مذاہب ودلائل: اس عبارت میں مصنفؒ نے بدن پر پڑ جانے والے چھالے پھوٹنے کی صورت میں اس کے ناقضِ وضو ہونے اور نہ ہونے کے حکم کو بیان کر رہے ہیں، فرماتے ہیں کہ اس سلسلے میں کل تین مذہب ہیں۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ اگر کسی چھالے کا چھلکا اُتر جائے اور اس سے زرد پانی یا خون یا پیپ از خود نکل کر بہہ جائے تو یہ ناقضِ وضوء ہے اور از خود نہ بہے تو ناقضِ وضوء نہیں ہے، یہ امام اعظمؒ اور صاحبینؒ کا مسلک ہے، ان کی دلیل ایک حدیث ہے، وہ یہ ہے: "لیس في القطن والقطرتین من الدَّمِ وضوء إلا أن یکونَ سائلًا" بدن سے خون کے ایک یا دو قطرے نکلنے سے وضو لازم نہیں ہوتا، الا یہ کہ وہ بہہ جائے تو پھر وضوء لازم ہو جاتا ہے، استدلال اس طور پر ہے کہ یہ روایت صراحتاً اس بات پر دال ہے کہ بدن سے نکلنے والا خون (یا زرد پانی یا پیپ) اگر بہہ جائے تو یہ ناقضِ وضو ہے اور اس سے وضوء لازم ہو جاتا ہے۔

اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ چھالے کا چھلکا اُتارنے کے بعد اس سے پانی، خون یا پیپ بہے یا نہ بہے بہر دو صورت ناقضِ وضوء ہے، یہ امام زفرؒ کا مذہب ہے، دلیل یہ ہے: مصنف عبدالرزاق میں حضرت ابن ابی نجیح سے مروی ہے، فرماتے ہیں: "سألت مجاهدًا عن الجرحِ یکون في ید الإنسانِ فیکون فیه دم یظهر ولا یسیل قال مجاهدٌ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

یتوضأ" میں نے حضرت مجاہد سے اس زخم کے متعلق معلوم کیا جو انسان کے ہاتھ وغیرہ میں ہوجاتا ہے اور اس سے خون ظاہر ہوجاتا ہے؛ لیکن بہتا نہیں تو آپ نے فرمایا کہ ایسا آدمی وضو کرے، وجہِ استدلال یہ ہے کہ چھالے کو چھیلنے کی صورت میں اس سے ظاہر ہونے والا خون یا زرد پانی یا پیپ بہے یا نہ بہے بہر دو صورت ناقضِ وضوء ہے۔

اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ چھلکا اُتارنے کے بعد اس سے پانی، خون یا پیپ بہے یا نہ بہے بہر دو صورت ناقضِ وضوء نہیں ہے۔

ان کی دلیل حضرت جابرؓ کی حدیث ہے، وہ یہ ہے: "خرجنا مع رسول اللّٰہ یعني في غزوةِ ذَاتِ الرِّقاعِ... حتی رماہ بثلاثة أسهم ثم رکع وسجد" کہ ہم غزوۂ ذات الرقاع میں گئے، اور آپ علیہ السلام نے ایک صحابی کو رات میں گھاٹی کی محافظت کے لیے بھیج دیا، انہوں نے وہاں نماز ادا کرنا شروع کردیا، اس درمیان ایک کافر نے جو اُن کی تاک میں تھا ان کے تین تیر مارے جس سے ان کا خون بہنے لگا، انہوں نے رکوع اور سجدہ کیا اور نماز مکمل کرلی۔ استدلال اس طور پر ہوگا کہ غیر سبیلین سے نکلنے والا خون خواہ نکل کر بہے یا نہ بہے ناقضِ وضو نہیں ہے؛ اس لیے کہ اگر ناقضِ وضو ہوتا تو یہ صحابی تیر لگنے کے بعد خون بہتے ہی نماز ختم کردیتے؛ حالانکہ انہوں نے ایسا نہیں کیا، پس یہ دلیل ہے کہ غیر سبیلین سے نکلنے والا خون ناقضِ وضو نہیں ہے۔

(ج) وهي مسألة الخارج الإلخ سے کیا کہنا چاہتے ہیں؟ اس عبارت میں مصنفؒ فرماتے ہیں کہ زیرِ بحث مسئلہ خارج من غیر السبیلین کا ہے یعنی بدن سے نکلنے والا خون یا زرد پانی یا پیپ میں اس کے ناقضِ وضو ہونے یا نہ ہونے کا یہ اختلاف غیر سبیلین میں ہے، رہا سبیلین کا مسئلہ تو یہ چیزیں سبیلین سے نکلنے کی صورت میں سب کے نزدیک بالاتفاق ناقضِ وضو ہیں۔

وهذه المسألة: یہاں سے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ خارج من غیر السبیلین سے نکلنے والا خون یا زرد پانی یا پیپ ناپاک ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ فاسد خون از خود ناپاک ہوتا ہے اور

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جب وہ پکتا ہے تو کچ لہو بن جاتا ہے، پھر اور پکتا ہے تو پیپ بن جاتا ہے، پھر رقیق ہوکر زرد پانی بن جاتا ہے، بس بایں وجہ کسی چھالے یا زخم سے نکلنے والی یہ تمام چیزیں ناپاک ہیں۔

قولہ: هٰذَا إذا قشرها: صاحبِ کتاب فرماتے ہیں کہ چھالے یا زخم سے خون یا پیپ وغیرہ نکلنے اور اس کے ناقضِ وضو ہونے کی اب تک جو بحث ہے یہ سب اس صورت میں ہے جبکہ یہ چیزیں چھالے یا زخم سے از خود نکل کر بہہ جائیں؛ لیکن اگر چھالے یا زخم کو دبا کر اس سے ان چیزوں کو نکالا جائے تو پھر یہ ناقضِ وضو نہیں ہیں؛ اس لیے کہ اس صورت میں نکلنا نہیں پایا جاتا؛ بلکہ نکالنا پایا جاتا ہے۔

سوال ۱۹، ہدایہ اوّل: ص/۳۰ (ششماہی ۱۴۲۵ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَفَرْضُ الْغُسْلِ اَلْمَضْمَضَةُ وَالْإِسْتِنْشَاقُ وَغَسْلُ سَائِرِ الْبَدَنِ، وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ هُمَا سُنَّتَانِ فِيْهِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ، أَيْ مِنَ السُّنَّةِ، وَذَكَرَ مِنْهَا الْمَضْمَضَةُ وَالْإِسْتِنْشَاقُ، وَلِهٰذَا كَانَا سُنَّتَيْنِ فِي الْوُضُوْءِ وَلَنَا قَوْلُهُ تَعَالٰى ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا﴾ أَمَرَ بِالْأَطْهَارِ، وَهُوَ تَطْهِيْرُ جَمِيْعِ الْبَدَنِ، إِلَّا أَنَّ مَاتَعَذَّرَ إِيْصَالُ الْمَاءِ إِلَيْهِ خَارِجٌ، بِخِلَافِ الْوُضُوْءِ؛ لِأَنَّ الْوَاجِبَ فِيْهِ غَسْلُ الْوَجْهِ، وَالْمُوَاجَهَةُ فِيْهِمَا مُنْعَدِمَةٌ، وَالْمُرَادُ بِمَا رَوٰى حَالَةَ الْحَدَثِ، بِدَلِيْلِ قَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ "إِنَّهُمَا فَرْضَانِ فِي الْجَنَابَةِ سُنَّتَانِ فِي الْوُضُوْءِ.

(الف) اعراب لگائیے (ب) ترجمہ کیجیے (ج) عبارت اس طرح حل کیجیے کہ اختلاف واضح ہوجائے۔

جواب: (ب) ترجمہ: غسل کا فرض کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا اور تمام بدن کا دھونا ہے۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک یہ دونوں غسل میں مسنون ہیں؛ اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دس چیزیں فطرت یعنی سنت سے ہیں اور اسی وجہ سے یہ دونوں وضو

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

میں سنت ہیں اور ہماری دلیل باری تعالیٰ کا قول ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا﴾ ہے، اطہار کا حکم دیا اور یہ تمام بدن کا دھونا ہے؛ مگر وہ جگہ کہ جہاں پانی پہنچانا متعذر ہے وہ خارج ہے، برخلاف وضو کے؛ کیونکہ واجب اس میں وجہ کا دھونا ہے اور ان دونوں میں مواجہت معدوم ہے اور مراد اس سے جو روایت کیا حدث کی حالت ہے، دلیل یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دونوں جنابت میں فرض ہیں، وضو میں سنت ہیں۔

(ج) عبارت کی تشریح: فقہائے احناف کے نزدیک غسل میں تین فرض ہیں: کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، تمام بدن دھونا۔

اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا اسی طرح مسنون ہیں جس طرح وضو میں مسنون ہیں۔

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دس چیزیں فطرت یعنی سنت ہیں۔

بعض نے کہا کہ ان میں سے پانچ چیزوں کا تعلق سر سے ہے اور پانچ کا بدن سے؛ چنانچہ جن چیزوں کا تعلق سر سے ہے وہ یہ ہیں:

(۱) مانگ نکالنا (۲) مسواک کرنا (۳) کلی کرنا (۴) ناک میں پانی ڈالنا (۵) مونچھ کاٹنا۔

اور جن چیزوں کا تعلق بدن سے ہے وہ یہ ہیں:

(۱) ختنہ کرانا (۲) زیرِ ناف بال مونڈنا (۳) بغل کے بال اُکھاڑنا (۴) ناخن کٹوانا (۵) پانی سے استنجاء کرنا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا مسنون ہیں۔

دوسری عقلی دلیل یہ ہے کہ یہ دونوں حضرات غسل میں کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کو قیاس کرتے ہیں وضو میں کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے پر۔ یعنی جس طرح وضو میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا سنت ہیں اسی طرح غسل میں بھی سنت ہیں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو خوب پاکی حاصل کرو۔ یعنی اللہ رب العزت نے مکلفین کو علیٰ سبیل المبالغہ تمام بدن دھونے کا حکم دیا ہے؛ کیونکہ فرمایا: ﴿فَاطَّهَّرُوْا﴾ اور تطہیر مبالغہ کے ساتھ پورے بدن کو دھونے کو کہتے ہیں، الا یہ کہ کسی جگہ پانی پہنچانا ناممکن ہو تو وہ اس حکم سے خارج ہے جیسے آنکھوں کے اندر کا حصہ۔

اور جہاں پانی پہنچانے میں کوئی حرج نہیں ہے وہ اس حکم کے تحت باقی ہے، پس چونکہ منہ اور ناک کے اندر پانی پہنچانے میں کوئی حرج نہیں؛ اس لیے ان دونوں کا دھونا بحکم کتاب اللہ فرض ہوگا۔ اس کے بخلاف وضو کہ وضو میں ماور بہ غسلِ وجہ ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ﴾ اور کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کا جو محل ہے اس میں مواجہت معدوم ہے۔

اور امام شافعیؒ کی پیش کردہ حدیث کو وضو پر محمول کیا جائے گا؛ کیونکہ ابنِ عباس اور جابر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا غسلِ جنابت میں فرض ہیں اور وضو میں سنت ہیں۔

سوال ۲۰، ہدایہ اوّل: ص/۳۱ (داخلہ امتحان ۱۴۳۳ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَالْمَعَانِي الْمُوْجِبَةُ لِلْغُسْلِ إِنْزَالُ الْمَنِيِّ عَلٰى وَجْهِ الدَّفْقِ وَ الشَّهْوَةِ مِنَ الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ حَالَةَ النَّوْمِ وَالْيَقْظَةِ وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ خُرُوْجُ الْمَنِيِّ كَيْفَ مَا كَانَ يُوْجِبُ الْغُسْلَ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَلْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ أَيِ الْغُسْلُ مِنَ الْمَنِيِّ، وَلَنَا أَنَّ الْأَمْرَ بِالتَّطْهِيْرِ يَتَنَاوَلُ الْجُنُبَ، وَالْجَنَابَةُ فِي اللُّغَةِ خُرُوْجُ الْمَنِيِّ عَلٰى وَجْهِ الشَّهْوَةِ.

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) الماء اور الأمر بالتطهير کی مراد تحریر کر کے عبارت کا مطلب مع اختلافِ ائمہ تحریر کریں (ج) حدیث "الماء من الماء" کا جواب دیں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جواب: ترجمہ: اور غسل کو واجب کرنے والی چیزوں میں سے ایک شہوت کے ساتھ مرد وعورت سے کود کر منی کا نکلنا ہے خواہ نیند کی حالت میں ہو یا بیداری کی حالت میں، اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک ہر طرح سے منی کا نکلنا غسل کو ثابت کر دیتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: "الماء من الماء" پانی پانی سے واجب ہوتا ہے، (غسل منی کے نکلنے سے واجب ہوتا ہے) اور ہماری دلیل یہ ہے کہ تطہیر کا حکم جنبی کو شامل ہے اور جنابت لغت میں شہوت کے ساتھ منی کے نکلنے کو کہتے ہیں۔

(ب) الماء اور الأمر بالتطهير کی مراد، نیز عبارت کا مطلب مع اختلافِ ائمہ: عبارت میں "الماء من الماء" میں پہلے "الماء" سے مراد غسل کا پانی اور دوسرے "الماء" سے مراد منی کا پانی ہے، اور مطلب ہے کہ غسل کا پانی منی کا پانی نکلنے پر واجب ہوتا ہے۔

اور "الأمر بالتطهير" سے مراد آیتِ غسل ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا﴾ ہے۔

اس عبارت میں غسل کو واجب کرنے والے اسباب میں سے پہلے سبب کو بیان کیا ہے، تو سب سے پہلا سبب نیند یا بیداری کی حالت میں مرد وعورت سے شہوت کے ساتھ کود کر منی کا نکلنا ہے، اب اس کی حالت میں اختلاف ہے کہ کس صورت میں غسل واجب ہوگا اور کس صورت میں نہیں، تو اس سلسلے میں دو مذاہب ہیں:

پہلا مذہب امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا ہے، ان حضرات کے نزدیک خروجِ منی سے غسل واجب ہونے کے لیے شہوت کے ساتھ منی کا نکلنا ضروری ہے، پس اگر کسی کو جھٹکا لگنے یا وزن اٹھانے سے یا بیماری کی وجہ سے شہوت کے بغیر منی نکل جائے تو اس سے غسل واجب نہیں ہوگا، ان کی دلیل آیتِ غسل ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا﴾ ہے، اس آیتِ کریمہ میں اللہ رب العزت حکم فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو! اگر تم جنبی ہو جاؤ تو اچھی طرح پاکی حاصل کرو، استدلال اس طور پر ہے کہ اللہ نے جنبی شخص کو پاکی حاصل کرنے کا حکم فرمایا اور لغت میں جنابت شہوت کے ساتھ منی کے نکلنے کو کہا جاتا ہے، پس معلوم ہوا کہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

شہوت کے ساتھ ہی منی نکلنے پر غسل واجب ہوگا، بغیر شہوت کے غسل واجب نہیں ہوگا۔

اور اس کے برخلاف امام مالکؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مطلقاً منی کے نکلنے سے خواہ شہوت کے ساتھ نکلے یا بغیر شہوت کے، غسل واجب ہوگا۔

ان کی دلیل حدیث "الماء من الماء" ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ پانی پانی سے واجب ہوتا ہے، استدلال اس طور پر ہوگا کہ آپ علیہ السلام نے مطلقاً منی کا پانی نکلنے سے غسل کو واجب کہا ہے اور مطلق کا قاعدہ ہے کہ وہ اپنے اطلاق پر جاری ہوگا، پس اس قاعدہ کے اعتبار سے مطلق منی کے نکلنے سے غسل واجب ہوگا، خواہ شہوت ہو یا نہ ہو۔

(ج) حدیث "الماء من الماء" کا جواب: فریقِ مخالفت کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث یا تو منسوخ ہے یا پھر احتلام کے متعلق ہے یعنی اگر کسی کو خواب میں احتلام ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہو اور بیدار ہو کر منی کا اثر معلوم نہ ہو تو غسل واجب نہیں ہوتا ہے؛ بل کہ غسل اسی صورت میں واجب ہوتا ہے جبکہ بیدار ہونے کے بعد کپڑے وغیرہ پر اثر دکھائی دیتا ہو، تو اس حدیث سے مطلقاً منی کے نکلنے پر غسل واجب ہونے کا قائل ہونا درست نہیں ہے؛ بل کہ جب شہوت کے ساتھ منی نکلے۔

سوال ۲۱، ہدایہ اوّل: ص ۳۲/ (خودساختہ)

(الف) عبارت باعراب: قَالَ وَلَيْسَ فِي الْمَذِيِّ وَالْوَدِيِّ غُسْلٌ، وَفِيهِمَا الْوُضُوْءُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: كُلُّ فَحْلٍ يُمْذِي، وَفِيْهِ الْوُضُوْءُ وَالْوَدِيُّ الْغَلِيْظُ مِنَ الْبَوْلِ يَتَعَقَّبُ الرَّقِيْقَ مِنْهُ خُرُوْجًا، فَيَكُوْنُ مُعْتَبَرًا بِهِ، وَالْمَنِيُّ خَاثِرٌ أَبْيَضُ يَنْكَسِرُ مِنْهُ الذَّكَرُ وَالْمَذِيُّ رَقِيْقٌ يَضْرِبُ إِلَى الْبَيَاضِ، يَخْرُجُ عِنْدَ مُلَاعَبَةِ الرَّجُلِ أَهْلَهُ، وَالتَّفْسِيْرُ مَأْثُوْرٌ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا.

(الف) اعراب لگائیے (ب) ترجمہ کیجیے (ج) عبارت کی تشریح لکھئے۔

جواب: (ب) ترجمہ: فرمایا کہ مذی اور ودی میں غسل نہیں اور ان دونوں میں وضو ہے؛ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مرد مذی لاتا ہے اور اس میں وضو ہے اور

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ودی گاڑھا پیشاب ہوتا ہے جو رقیق پیشاب کے بعد نکلتا ہے؛ لہٰذا وہ اسی پر قیاس کیا جائے گا اور منی گاڑھی سفید ہے، اس کے نکلنے سے ذکر سست ہو کر بیٹھ جاتا ہے اور مذی پتلی زرد ہے، سفیدی کی طرف مائل، مرد کے اپنی بیوی کے ساتھ ملاعبت کرنے کی وجہ سے نکلا کرتی ہے اور یہ تفسیر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے۔

(ج) تشریح: صاحبِ کتاب نے فرمایا کہ مذی اور ودی نکلنے کی صورت میں غسل واجب نہیں ہوتا؛ البتہ وضو واجب ہوتا ہے۔ دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: "كُلُّ فَحْلٍ يُمْذِيْ، وَفِيْهِ الْوُضُوْءُ" ہے۔ یہاں ایک سوال ہے وہ یہ کہ جب مذی اور ودی سے وضو واجب ہوتا ہے اور غسل واجب نہیں ہوتا، تو ان دونوں کو "فصل في الوضوء" میں ذکر کرنا چاہیے تھا نہ کہ "فصل في الغسل" میں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں چونکہ منی کے مشابہ ہیں؛ اس لیے ان دونوں کو "فصل في الغسل" میں ذکر کیا گیا اور بہتر توجیہ یہ ہے کہ یہاں ان دونوں کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ امام احمدؒ ایک روایت میں وجوبِ غسل کے قائل ہیں، پس یہاں ان دونوں کا ذکر امام احمدؒ کے قول کی تردید کے لیے کیا گیا؟ دوسرا سوال یہ ہوگا کہ جب ماقبل میں یہ بات معلوم ہوگئی کہ "كل ماخرج من السبيلين" ناقضِ وضو ہے، تو اس مذی اور ودی کا ذکر بھی موجود ہے، پس اس کو علیحدہ بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

جواب ان دونوں کا ذکر صراحۃً کیا گیا ہے، امام مالکؒ کے قول کی تردید کے لیے؛ کیونکہ امام مالکؒ ان دونوں کے نکلنے سے وجوبِ غسل کے قائل نہیں ہیں۔ تیسرا سوال ہوگا کہ ودی کے نکلنے سے وضو کرنا کیسے متصور ہوگا؛ اس لیے کہ ودی پیشاب کے بعد نکلتی ہے؛ لہٰذا وضو ودی سے پہلے ہی پیشاب کی وجہ سے واجب ہو گیا، ودی کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔

جواب اس کی صورت یہ ہے کہ پیشاب کیا پھر وضو کیا پھر ودی نکلی تو اس شخص پر وضو کرنا واجب ہوگا۔ منی اور مذی اور ودی کی تعریفیں سابق میں بھی گزر چکیں اور یہاں بھی ترجمہ کے تحت مذکور ہیں ملاحظہ کر لیا جائے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال ۲۲، ہدایہ اوّل: ص ۳۳ (ششماہی ۱۴۳۲ھ)

(الف) عبارت باعراب: اَلطَّهَارَةُ مِنَ الْأَحْدَاثِ جَائِزَةٌ بِمَاءِ السَّمَاءِ وَالْأَوْدِيَةِ وَالْعُيُوْنِ وَالْآبَارِ وَالْبِحَارِ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى: ﴿وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا﴾، وَقَوْلُهٗ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: وَالْمَاءُ طَهُوْرٌ لَايُنَجِّسُهٗ شَيْءٌ إِلَّا مَا غَيَّرَ لَوْنَهٗ أَوْ طَعْمَهٗ أَوْ رِيْحَهٗ، وَمُطْلَقُ الْإِسْمِ يَنْطَلِقُ عَلٰى هٰذِهِ الْمِيَاهِ.

(الف) اعراب لگائیں (ب) ترجمہ کریں (ج) تشریح کریں (د) بتائیں کہ مصنفِ ہدایہ آیتِ کریمہ لاکر کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں اور کیسے؟

جواب: (ب) ترجمہ: حدثوں سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے، آسمان کے پانی سے، وادیوں کے پانی سے، چشموں کے پانی سے، کنوؤں کے پانی سے، اور سمندر کے پانی سے، اللہ کے قول کی وجہ سے "اور ہم نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی اُتارا"، اور نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے قول کی وجہ سے "حوض کا پانی پاک ہے، ہاں اس کا رنگ، یا مزہ، یا اس کی بو بدل جائے تو ناپاک ہوگا، اور پانی کا مطلق نام ان سب پانیوں پر بولا جاتا ہے۔

(ج) تشریح: یہاں سے مصنف علیہ الرحمہ فرمانا چاہتے ہیں کہ عبارت میں ذکر کردہ پانیوں سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے، وجہ یہ ہے کہ یہ سب پانی پاک ہیں؛ اس لیے کہ یہ پانی تھوڑی ناپاکی گرنے کی وجہ سے ناپاک نہیں ہوتے؛ اس لیے ان سے وضو کرنا اور غسل کرنا دونوں جائز ہے، دلیل آیت ہے: ﴿وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا﴾ (سورۃ الفرقان ۲۵، آیت ۴۸) چشمے کے بارے میں یہ سب آیتیں ہیں: ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ﴾ (سورۃ الزمر ۳۹)

"والماء طهورٌ الأخ" اس عبارت کا مطلب ہے کہ بہتے پانی یا ماءِ کثیر میں اتنی زیادہ ناپاکی گرگئی کہ اس کی وجہ سے پانی کا رنگ بدل گیا یا اس کا مزہ بدل گیا، یا اس کی بُو بدل گئی، تو اب یہ پانی ناپاک ہوجائیگا اور اس سے وضو یا غسل کرنا جائز نہیں ہوگا؛ اس لیے کہ حدیث میں "إنّ الماءَ لاينجسّه شيءٌ إلا ما غلب على ريحه وطعمه

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ولونه" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماءِ کثیر میں ناپاکی گر جانے سے پانی ناپاک نہیں ہوگا جب تک کہ تینوں وصفوں میں سے ایک وصف نہ بدل جائے۔

اسی طرح سے سمندر کے پانی کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ یعنی اس کی مری ہوئی مچھلی حلال ہے۔

(د) مصنفِ ہدایہ آیتِ کریمہ لاکر کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں اور کیسے؟ خلاصہ یہ ہے کہ ان سب پانیوں کے پاک ہونے کے سلسلے میں حدیث وارد ہوئی ہے یا قرآن۔ اور مصنفِ ہدایہ قرآنِ کریم کی آیت لاکر اس بات کو ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ یہ سب پانی پاک ہے، وہ اس لیے کہ ان سب آیتوں میں "الماء" کا لفظ آیا ہے اور "الماء" جب مطلق بولا جاتا ہے تو وہ سب پانیوں کو شامل ہوتا ہے یعنی جو پاک ہوں اور پاک کرنے والے ہوں، لہٰذا ان سب پانیوں سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے۔

سوال ۲۳، ہدایہ اوّل: ص ۳۴ (سالانہ ۱۴۳۶ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَلَايَجُوْزُ بِمَاءٍ اُعْتُصِرَ مِنَ الشَّجَرِ وَالثَّمَرِ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِمَاءٍ مُطْلَقٍ، وَالْحُكْمُ عِنْدَ فَقْدِهٖ مَنْقُوْلٌ إِلَى التَّيَمُّمِ وَالْوَظِيْفَةُ فِي هٰذِهِ الْأَعْضَاءِ تَعَبُّدِيَّةٌ، فَلَاتَتَعَدّٰى إِلٰى غَيْرِ الْمَنْصُوْصِ عَلَيْهِ أَمَّا الْمَاءُ الَّذِيْ يَقْطُرُ مِنَ الْكَرْمِ فَيَجُوْزُ التَّوَضِّيْ بِهٖ؛ لِأَنَّهُ مَاءٌ خَرَجَ مِنْ غَيْرِ عِلَاجٍ ذَكَرَهُ فِيْ جَوَامِعِ أَبِيْ يُوْسُفَ وَفِي الْكِتَابِ إِشَارَةٌ إِلَيْهِ حَيْثُ شَرَطَ الْإِعْتِصَارَ.

(الف) اعراب لگائیے (ب) ترجمہ کیجیے (ج) عبارت کی بہترین تشریح کیجیے۔

جواب: (ب) ترجمہ: اور (وضو) جائز نہیں ہے، ایسی چیز سے جو نچوڑ کر حاصل کی گئی ہو (خواہ) درخت سے یا پھل سے؛ اس لیے کہ یہ ماءِ مطلق نہیں ہے۔ اور پانی مفقود ہونے کی صورت میں حکم تیمّم کی طرف منتقل کیا گیا ہے اور وظیفہ ان اعضاء میں تعبدی ہے، پس غیر منصوص علیہ کی طرف متعدی نہیں ہوگا۔ رہا وہ پانی جو انگور کے درخت سے خود ٹپکتا ہے، اس سے وضو کرنا جائز ہے؛ کیونکہ یہ پانی بغیر علاج کے نکل آیا، یہ مسئلہ جوامع ابی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

یوسف میں مذکور ہے اور کتاب میں اسی طرح اشارہ ہے؛ چنانچہ اعتصار کی شرط لگائی ہے۔

(ج) عبارت کی تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ جو پانی درخت یا کسی پھل سے نچوڑ کر نکالا گیا ہو اس سے وضو کرنا جائز نہیں ہے؛ کیونکہ یہ ماءِ مطلق نہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی انسان کے گھر میں کنویں اور دریا کا پانی فرض کریں اور یہ نچوڑا ہوا پانی فرض کریں، پھر کسی سے کہو کہ پانی لاؤ تو اوّل کی طرف ذہن منتقل ہوگا نہ کہ ثانی کی طرف، پس ثابت ہوا کہ نچوڑا ہوا پانی ماءِ مطلق نہیں ہے۔ اور پانی نہ ہونے کی صورت میں حکم تیمّم کی طرف منتقل کیا گیا ہے؛ چنانچہ فرمایا کہ ﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا﴾ پس معلوم ہوا کہ درخت یا پھل سے نچوڑا ہوا پانی وضو کے قابل نہیں ہے۔

وَالْوَظِيْفَةُ فِيْ هٰذِهِ الْأَعْضَاءِ سے ایک اعتراض کا جواب ہے۔

اعتراض یہ ہے کہ نچوڑا ہوا پانی اگرچہ ماءِ مطلق نہیں؛ لیکن ماءِ مطلق کے حکم میں ہے؛ کیونکہ شیخین کے نزدیک اس سے نجاستِ حقیقیہ کو زائل کرنا درست ہے، پس جب نجاستِ حقیقیہ زائل کرنے میں نچوڑ ہوئے پانی کو ماءِ مطلق کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے جیسا کہ شیخینؒ نے کیا تو نجاستِ حکمیہ زائل کرنے میں بھی اس کو ماءِ مطلق کے ساتھ لاحق کرنا چاہیے تھا؛ تاکہ نچوڑے ہوئے پانی سے وضو اور غسل زائل ہو جائے؛ حالانکہ آپ ناجائز کہتے ہیں۔

جواب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لیجیے کہ صحتِ قیاس کی شرط یہ ہے کہ اصل یعنی مقیس علیہ کا حکم خلافِ قیاس نہ ہو، پس اب جواب کا حاصل یہ ہوگا کہ اعضاءِ اربعہ کو پاک کرنے کے لیے ماءِ مطلق کا استعمال خلافِ قیاس ہے؛ اس لیے کہ محدث کے اعضاء حقیقتاً بھی پاک ہیں اور حکماً بھی۔ حقیقتاً تو اس لیے پاک ہیں کہ کوئی نجاستِ حقیقیہ اس کے اعضاء پر نہیں لگی ہے اور حکماً اس لیے پاک ہیں کہ اگر کسی شخص نے محدث یا جنبی کو اپنے اوپر لاد کر نماز پڑھی تو اس کی نماز صحیح ہو جائے گی؛ حالانکہ اگر یہ نجس ہوتا تو اس کی نماز درست نہ ہوتی۔ بہرحال محدث کے اعضاء پاک ہیں اور پاک کو پاک کرنا محال ہے؛ کیونکہ تحصیل حاصل ہے۔ اور ماء منطلق من کل وجہ ماء مطلق کے معنیٰ میں بھی نہیں ہے؛ کیونکہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ماءِ مطلق کو روکنے کی تدبیریں نہیں کی جاتیں اور مفت دستیاب ہوجاتا ہے۔ اور ماءِ مقید کو روکا جاتا ہے اور وہ کمی کے ساتھ دستیاب ہوتا ہے۔ بہرحال جب ماءِ مطلق کا اعضاء میں استعمال بھی خلافِ قیاس ہے اور ماء مقید من کل وجہ ماء مطلق کے معنیٰ میں بھی نہیں ہے، تو ماءِ مقید کو ماءِ مطلق پر قیاس نہیں کیا جاسکتا؛ اس لیے ہم نے کہا کہ ماءِ مطلق کا حکم اس کے علاوہ دوسری پاک بہنے والی چیزوں یعنی ماءِ مقید کی طرف متعدی نہیں ہوگا۔

اس کے برخلاف نجاستِ حقیقیہ کہ ماءِ مطلق سے اس کا دُور کرنا قیاس کے مطابق ہے، لہٰذا ماءِ مقید یعنی دوسری بہنے والی چیزوں کو بھی اس پر قیاس کرنا درست ہوگا اور علتِ مشترکہ نجاستِ حقیقیہ کو زائل کرنا ہے۔ رہا وہ پانی جو انگور کی بیل سے خود ٹپکتا ہے، تو اس سے وضو کرنا جائز ہے؛ کیونکہ یہ پانی ایسا ہے جو بغیر کسی دستکاری کے نکلا ہے۔ یہ مسئلہ جوامع ابی یوسف میں مذکور ہے اور قدوری میں بھی اس طرف اشارہ ہے؛ کیونکہ متن کے مسئلہ میں اعتصار (نچوڑنے) کی شرط لگائی ہے یعنی یہ کہا کہ خود نکلا ہو، پس حاصل یہ نکلا کہ اگر نچوڑ کر پانی نکالا ہے تو اس سے وضو کرنا ناجائز ہے اور اگر خود بخود نکل آیا تو اس سے وضو کرنا جائز ہے۔ (فتح القدیر)

سوال ۲۴، ہدایہ اوّل: ص ۳۵/ (سالانہ ۱۴۲۸ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَكُلُّ مَاءٍ وَقَعَتْ فِيهِ النَّجَاسَةُ لَمْ يَجُزِ الْوُضُوءُ بِهِ قَلِيلًا كَانَتِ النَّجَاسَةُ أَوْ كَثِيرًا وَقَالَ مَالِكٌ يَجُوزُ مَالَمْ يَتَغَيَّرْ أَحَدُ أَوْصَافِهِ لِمَا رَوَيْنَا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ يَجُوزُ إِذَا كَانَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِذَا بَلَغَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ لَمْ يَحْمِلْ خَبَثًا وَلَنَا حَدِيثُ الْمُسْتَيْقِظِ مِنْ مَنَامِهِ وَالَّذِي رَوَاهُ مَالِكٌ وَرَدَ فِي بِئْرِ بُضَاعَةَ وَمَاءُهَا كَانَ جَارِيًا فِي الْبَسَاتِينِ.

(الف) اعراب لگائیں (ب) ترجمہ کریں (ج) مطلب تحریر کرتے ہوئے مذکورہ مسئلہ میں ائمہ کے مذاہب مع دلائل تحریر کریں (د) امام مالکؒ کی دلیل اور حدیثِ قلتین کا جواب دیں۔

جواب: (ب) ترجمہ: اور ہر ایسا پانی جس میں نجاست گر جائے تو خواہ نجاست

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

تھوڑی ہو یا زیادہ اس سے وضو کرنا جائز نہیں ہے، اور حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں جب تک (نجاست گرنے کی وجہ سے) پانی کا احد الاوصاف متغیر نہ ہو (اس سے وضو کرنا) جائز ہے، اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر پانی دو قلے ہو تو جائز ہے؛ اس لیے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''جب پانی دو قلوں کے بقدر ہو تو وہ ناپاکی کو نہیں اُٹھاتا ہے''۔ اور ہماری دلیل نیند سے بیدار ہونے والے کی حدیث ہے اور وہ حدیث جس کو امام مالکؒ نے روایت کیا وہ بیر بضاعہ کے متعلق وارد ہوئی ہے۔

(ج) مطلب، نیز مذکورہ مسئلہ میں ائمہ کے مذاہب مع دلائل: عبارتِ مذکورہ میں صاحبِ ہدایہ نے ماءِ راکد (ٹھیرے ہوئے پانی) میں نجاست گرنے کے بعد اس سے وضو کے جواز اور عدمِ جواز کے مسئلہ کو بیان کیا ہے، اور یہ مسئلہ اختلافی بھی ہے؛ چناں چہ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ماءِ راکد میں اگر نجاست گر جائے تو نجاست خواہ قلیل ہو یا کثیر اور پانی کے اوصاف میں سے کوئی وصف تبدیل ہو یا نہ ہو اس پانی سے وضو کرنا جائز نہیں ہے۔ یہ امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا مسلک ہے، ان کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''إذا استيقظ أحدكم من منامه فلايغمسنّ يده في الإناء حتى يغسلها ثلثا'' کہ جب تم میں سے کوئی اپنی نیند سے بیدار ہو تو وہ اپنے ہاتھ کو پانی کے برتن میں نہ ڈالے، یہاں تک کہ اس کو تین مرتبہ دھو لے، اس سے استدلال اس طور پر ہے کہ برتن میں عموماً موجود پانی قلیل ہوتا ہے اور آپ علیہ السلام نے سو کر بیدار ہونے والے کو صرف احتمالِ نجاست کی وجہ سے ہاتھوں کو دھوئے بغیر اس پانی میں ہاتھ ڈالنے سے منع کیا ہے؛ تاکہ وہ پانی ناپاک نہ ہو، تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تھوڑا پانی نجاست کے گر جانے سے ناپاک ہو جاتا ہے اور ناپاک پانی سے وضو کرنا ناجائز ہے۔

اور احنافؒ نے ایک دوسری حدیث سے استدلال کیا ہے، وہ یہ ہے: ''لايبولنّ أحدكم في الماءِ الدائم ولايغتسلنّ فيه من الجنابة'' کہ تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب یا غسلِ جنابت نہ کرے۔ اس سے استدلال اس طور پر ہے کہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

آپؐ نے ٹھیرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے اور اس سے غسلِ جنابت کرنے سے منع فرمایا ہے اور منع فرمانے کی وجہ یہی ہے کہ ماءِ راکد عموماً قلیل ہوتا ہے اور اتصالِ نجاست کے بعد پانی ناپاک ہوجاتا ہے، پس جب اس ماءِ راکد میں یقینی طور سے نجاست گر جائے گی تو یہ بدرجۂ اولیٰ ناپاک ہوجائے گا اور اس سے وضو کرنا جائز نہیں ہوگا۔

پس ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ ماءِ راکد میں نجاست گر جانے کے بعد اس سے وضو کرنا ناجائز ہے۔

اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اگر ماءِ راکد میں نجاست گر جائے تو جب تک پانی کے اوصاف میں سے کوئی ایک وصف تبدیل نہ ہو تو اس سے وضو کرنا جائز ہے۔ یہ امام مالکؒ کا مذہب ہے، ان کی دلیل حدیث ہے، وہ یہ ہے: "أن الماء طهورٌ لاينجّسُهُ شيئٌ إلا ما غلب على ريحه وطعمه ولونه" کہ پانی پاک ہے اس کو کوئی چیز اس وقت تک ناپاک نہیں کرتی جب تک کہ اس کے رنگ، مزہ یا بو پر غالب نہ آجائے۔ اس روایت سے حضرت امام مالکؒ نے اس طور پر استدلال کیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے اس میں پانی کو مطلقاً پاک قرار دیا، الا یہ کہ اس کے اوصافِ ثلاثہ میں سے کوئی ایک وصف نجاست گرنے کی وجہ سے تبدیل ہوجائے، پس اس سے معلوم ہوا کہ پانی مطلقاً پاک ہے اور اس سے وضو کرنا جائز ہے، الا یہ کہ اس کے اوصافِ ثلاثہ میں سے کوئی وصف اس نجاست کی وجہ سے تبدیل ہوجائے تو پھر یہ پانی ناپاک ہے اور اس سے وضو کرنا جائز نہیں ہے۔

اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اگر ماءِ راکد دو قلوں کے برابر ہو اور اس میں نجاست گر جائے تو اس سے وضو کرنا جائز ہے۔

یہ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا مذہب ہے۔ ان کی دلیل حدیثِ قلتین ہے: "إذا كان الماء قلتين لم يحمل الخبث" کہ اگر پانی دو قلے کے بقدر ہو تو وہ نجاست کو نہیں اٹھاتا ہے یعنی ناپاک نہیں ہوتا ہے۔ استدلال اس طور پر ہے کہ آپ علیہ السلام نے دو قلے کے بقدر پانی کو نجاست گرنے کے باوجود پاک قرار دیا ہے، اس سے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

معلوم ہوا کہ اگر ماءِ راکد دو قلے کے برابر ہے اور اس میں نجاست گر جائے تو ناپاک نہیں ہوتا اور اس سے وضو کرنا جائز ہے۔

(د) امام مالکؒ کی دلیل کا جواب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ جو حدیث آپ نے پیش کی ہے وہ بیر بضاعہ کے متعلق ہے اور بیر بضاعہ کا پانی جاری تھا، اس سے باغات وغیرہ سیراب کیے جاتے تھے، تو گویا اس حدیث میں ماءِ جاری کا حکم بیان کیا گیا ہے اور ماءِ جاری کے متعلق ہم بھی یہی کہتے ہیں اس میں نجاست گرنے کے بعد ناپاک ہونے کے لیے اس کے احدالاوصاف کا متغیر ہونا ضروری ہے، پس اس حدیث کو لے کر ماءِ راکد کو نجاست گرنے کے بعد پاک قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

اور حدیثِ قلتین کا جواب: یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور ضعیف حدیث سے کسی مسئلہ پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

سوال ۲۵، ہدایہ اوّل: ص ۳۶/ (ششماہی ۱۴۳۵ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَالْغَدِيرُ الْعَظِيمُ الَّذِي لَايَتَحَرَّكُ أَحَدُ طَرَفَيْهِ بِتَحْرِيكِ الطَّرَفِ الْآخَرِ إِذَا وَقَعَتْ نَجَاسَةٌ فِي أَحَدِ جَانِبَيْهِ جَازَ الْوُضُوءُ مِنَ الْجَانِبِ الْآخَرِ؛ لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّ النَّجَاسَةَ لَاتَصِلُ إِلَيْهِ إِذْ أَثَرُ التَّحْرِيكِ فِي السِّرَايَةِ فَوْقَ أَثَرِ النَّجَاسَةِ، ثُمَّ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَؒ أَنَّهُ يُعْتَبَرُ التَّحْرِيكُ بِالْإِغْتِسَالِ.

(الف) اعراب لگائیے (ب) ترجمہ کیجیے (ج) ماءِ کثیر کی مقدار کے سلسلے میں اماموں کے اختلاف کو مدلل کریں۔

جواب: (ب) ترجمہ: اور بڑا تالاب جو متحرک نہیں ہوتا ہو اس کا ایک کنارہ دوسرے کنارہ کے حرکت دینے سے، اگر اس کے ایک کنارے میں ناپاکی گر جائے تو دوسری جانب وضو کرنا جائز ہے؛ اس لیے کہ ظاہر یہ ہے کہ ناپاکی وہاں تک نہیں پہنچے گی؛ اس لیے کہ حرکت دینے کا اثر سرایت کرنے میں نجاست کے اثر سے زیادہ ہے۔ پھر امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ غسل کرنے کے ذریعہ سے حرکت دینے کا اعتبار کیا جائیگا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ج) ماءِ کثیر کی مقدار کے سلسلے میں اماموں کے اختلاف: ماءِ کثیر کی مقدار کے سلسلے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ حوض کے ایک کنارے میں غسل کر کے حرکت دے کر دیکھا جائے اگر اس کی حرکت ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پہنچ جائے تو وہ چھوٹا تالاب ہے اور اگر حرکت دینے سے دوسرے کنارے تک نہ پہنچے تو وہ بڑا تالاب ہے، دلیل یہ ہے کہ بڑے تالاب میں غسل ہی کرنے کی زیادہ ضرورت پڑتی ہے؛ اس لیے اسی (غسل کی حرکت) سے حرکت دینے کا اعتبار ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت یہی ہے جو اوپر گزری، یعنی ایک روایت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے موافقت رکھتی ہے اور دوسری روایت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی یہ ہے کہ ہاتھ سے حرکت کر کے دیکھا جائیگا۔

اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ وضو کر کے پتہ لگایا جائیگا؛ کیونکہ حوض میں وضو کرنے کی زیادہ ضرورت پڑتی ہے؛ اس لیے وضو کر کے پتہ لگایا جائیگا، لہٰذا وضو کرنے کے ذریعہ اگر ایک کنارے کی حرکت دوسرے کنارے تک پہنچ جائے تو وہ چھوٹا تالاب ہے، اور اگر حرکت دوسرے کنارے تک نہ پہنچے تو وہ بڑا تالاب یعنی ''غدیرِ عظیم'' کہلائیگا۔

بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ اس کا اندازہ ناپ کر لگایا جائیگا؛ کیونکہ لوگوں کو ہاتھ سے ناپ کر بڑا تالاب متعین کرنے میں آسانی ہوگی، پتہ لگانے کا طریقہ یہ ہوگا بعض حضرات کے قول کے مطابق کہ اگر کنواں دس ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا ہو تو اس کو بڑا تالاب کہیں گے۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ماءِ کثیر کا اندازہ دو مٹکے پانی سے لگایا جائیگا کہ اگر پانی دو مٹکا ہو تو وہ ماءِ کثیر ہے، لہٰذا اس میں اگر نجاست گر جائے تو جب تک رنگ، بُو یا مزہ نہ بدل جائے تو پانی پاک رہیگا، ان کی دلیل حدیثِ قلتین ہے، کہ جب پانی دو مٹکے کو پہنچ جائے تو نجاست گرنے سے ناپاک نہیں ہوگا؛ مگر یہ کہ اوصافِ ثلاثہ میں سے کوئی وصف نہ بدل جائے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال ۲۶، ہدایہ اوّل: ص/۳۶ (ششماہی ۱۴۳۹ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَمَوْتُ مَا لَيْسَ لَهُ نَفْسٌ سَائِلَةٌ فِي الْمَاءِ لَا يُنَجِّسُهُ كَالْبَقِّ وَالذُّبَابِ وَالزَّنَابِيرِ وَالْعَقْرَبِ وَنَحْوِهَا، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ -رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى- يُفْسِدُهَا لِأَنَّ التَّحْرِيمَ لَا بِطَرِيقِ الْكَرَامَةِ آيَةُ النَّجَاسَةِ بِخِلَافِ دُودِ الْخَلِّ وَسُوسِ الثِّمَارِ لِأَنَّ فِيهِ ضَرُورَةٌ.

(الف) اعراب لگائیں (ب) ترجمہ کریں (ج) تشریح کریں (د) بخلاف سے مصنفؒ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ (ہ) امام شافعیؒ کی عقلی دلیل کا جواب دیجیے۔

جواب: (ب) ترجمہ: اور پانی میں ایسے جانور کا مرنا جس میں بہتا ہوا خون نہیں ہے تو وہ پانی کو ناپاک نہیں کریگا جیسے مچھر، مکھی، بھڑ، بچھو وغیرہ، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وہ پانی کو پاک کردیگا؛ اس لیے کہ جو حرمت کرامت کی وجہ سے نہ ہو، تو یہ نجاست کی علامت ہوتی ہے، برخلاف شہد کی مکھیوں کے اور پھلوں کے کیڑوں کے؛ اس لیے کہ اس میں ضرورت ہے۔

(ج) تشریح: یہاں سے مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر پانی میں کوئی ایسا جانور مرگیا جس میں دمِ سائل نہیں ہے تو پانی ناپاک نہیں ہوگا، وجہ یہ ہے کہ بہتا ہوا خون ناپاک ہے، اور ان میں بہتا ہوا خون نہیں ہے؛ اس لیے ان کے مرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوگا، قرآن میں ہے: ﴿إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا﴾ (سورۃ الانعام:٦) اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ بہتا ہوا خون ہونا ضروری ہے اور جس میں بہتا ہوا خون نہ ہو تو وہ ناپاک بھی نہیں ہوگا، اب یہ جانور جیسے مچھر ہیں، مکھی ہیں، بھڑ ہیں، بچھو وغیرہ ہیں، یہ سب ہمارے نزدیک ہیں کہ یہ سب پانی میں گرنے سے ناپاک نہیں ہوگا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر یہ سب جانور پانی میں گرکر مرجائیں تو پانی کو ناپاک کردیں گے؛ اس لیے کہ یہ جانور میتہ ہیں اور ان کا کھانا حرام ہے اور میتہ ناپاک ہوتا ہے؛ اس لیے ان کے مرنے سے پانی ناپاک ہوجائے گا؛ کیونکہ جو چیز کرامت کے طور پر

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

حرام نہ ہو، تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ ناپاک ہے؛ اس لیے تھوڑے پانی میں اس کے گرنے سے پانی ناپاک ہوجائیگا۔

(و) بخلاف سے مصنفؒ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ بخلاف سے مصنفؒ کہنا چاہتے ہیں کہ شہد کی مکھی کے بچے شہد میں مرجاتے ہیں، اسی طرح پھل کے کیڑے بھی پھل میں مرجاتے ہیں؛ حالانکہ مکھی کے بچوں اور کیڑوں کو کھانا حرام ہے، پھر بھی شہد کھاتے ہیں اور پھل کھاتے ہیں، وہ ناپاک نہیں شمار کیے جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ وہاں مجبوری ہے؛ اس لیے ضرورت کی بناء پر اس کو حلال قرار دیا ہے۔

ہماری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ: "هٰذا هو الحلال أكلُه وشربه والوضوءُ منه".

(ہ) امام شافعیؒ کی عقلی دلیل کا جواب: امام شافعیؒ کی عقلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ کھانا حرام ہونے کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ ناپاک ہو جیسے کہ مٹی کا کھانا حرام ہے؛ حالانکہ وہ ناپاک نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کیڑوں کا کھانا حرام ہے؛ لیکن وہ مٹی کی طرح نہیں، لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ اگر حرمت کرامت کی وجہ سے نہ ہو تو اس کا حرام ہونا ضروری نہیں ہے۔

سوال ۲۷، ہدایہ اوّل: ص ۳۷ (ششماہی ۱۴۳۴ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَمَوْتُ مَايَعِيْشُ فِي الْمَاءِ لَايُفْسِدُهُ كَالسَّمَكِ وَالضِّفْدَعِ وَالسَّرْطَانِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يُفْسِدُهُ إِلَّا السَّمَكَ لِمَا مَرَّ وَلَنَا أَنَّهُ مَاتَ فِيْ مَعْدَنِهِ فَلَا يُعْطٰى لَهُ حُكْمُ النَّجَاسَةِ كَبَيْضَةٍ حَالَ مَحُّهَا دَمًا، وَلِأَنَّهُ لَا دَمَ فِيْهَا، إِذِ الدَّمَوِيُّ لَايَسْكُنُ فِي الْمَاءِ، وَالدَّمُ هُوَ النَّجِسُ، وَالضِّفْدَعُ الْبَحْرِيُّ وَالْبَرِّيُّ سَوَاءٌ.

(الف) اعراب لگائیے (ب) ترجمہ کیجیے (ج) عبارت کے ہر ہر جزء کو واضح کریں (د) بحر و بر میں مینڈک میں فرق، نیز ان دونوں کا حکم تحریر کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جواب: (ب) ترجمہ: اور پانی میں ایسے جانور کا مرجانا جو پانی ہی میں زندگی گزارتا ہے پانی کو خراب نہیں کرے گا جیسے مچھلی، مینڈک اور کیکڑا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مچھلی کے علاوہ دیگر جانور پانی کو فاسد کردیتے ہیں اس دلیل کی وجہ سے جو گزر چکی ہے۔ ہمارا دلیل یہ ہے کہ وہ جانور اپنے معدن میں مرا ہے، لہٰذا اُسے نجاست کا حکم نہیں دیا جائے گا جیسے وہ انڈا جس کی زردی خون میں تبدیل ہوگئی ہو، اور اس لیے بھی کہ اس میں خون نہیں ہوتا ہے؛ کیونکہ خون والا جانور پانی میں نہیں رہتا اور خون ناپاک ہوتا ہے اور بحری اور برّی مینڈک (اس حکم میں) برابر ہیں۔

(ج) عبارت کے ہر ہر جزء کی وضاحت: مایعیش في الماء سے وہ جانور مراد ہیں جو پانی ہی میں پیدا ہوتے ہیں اور اسی میں زندگی گزارتے ہیں اور اسی میں ان کی موت آتی ہے، جیسے: مچھلی، دریائی مینڈک اور کیکڑا وغیرہ۔

لما مرّ سے مراد: لما مرّ سے مراد امام شافعیؒ کی دلیل جو گزری وہ یہ ہے: إنّ التّحریم لابطریق الکرامۃِ أیۃ النجاسۃِ کہ اگر کوئی چیز کسی چیز میں گر جائے تو اگر تحریم بطریقِ کرامت نہ ہو تو یہ بات اس کے نجس ہونے کی دلیل ہوتی ہے۔

"لبیضۃ حال محلھا" کی تشریح: اس سے احناف کے قول کی مثال ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر کسی انڈے کی زردی انڈے کے اندر رہتے ہوئے خون بن جائے تو جب تک وہ انڈے کے اندر ہے اس پر نجاست کا حکم عائد نہیں ہوگا؛ اس لیے کہ وہ اپنے معدن کے اندر ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس انڈے کو جیب میں لے کر نماز ادا کرنا جائز ہے، الا یہ کہ وہ زردی باہر آجائے تو پھر اس پر ناپاک ہونے کا حکم عائد ہوگا، پس اسی طرح دریائی جانوروں کا حکم ہے کہ یہ مرنے کے بعد جب تک اپنے معدن کے اندر ہیں تو ان پر بھی ناپاک ہونے کا حکم نہیں لگے گا اور ان کے مرنے کی وجہ سے بھی پانی بھی ناپاک نہیں ہوگا۔

اب عبارت کا مطلب ملاحظہ ہو: صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ وہ جانور جو پانی ہی میں زندگی گزر بسر کرتے ہیں جیسے مچھلی؛ کیکڑا وغیرہ، اگر ان میں سے کوئی جانور پانی میں

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

مرجائے تو ہمارے یہاں وہ پانی پاک نہیں ہوگا خواہ پانی قلیل ہو یا کثیر، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مچھلی کے علاوہ اگر کوئی دوسرا جانور مرتا ہے تو اس کے مرنے سے پانی ناپاک ہوجائے گا۔

امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ تحریم اگر بطریقِ کرامت نہ ہو تو وہ نجاست کی علامت ہے اور چوں کہ ان جانوروں کی تحریم بطریقِ کرامت نہیں ہے؛ اس لیے ان کی حرمت دلیل نجاست ہے، لہٰذا یہ جس چیز میں گر جائے اسے ناپاک کردیں گے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ مچھلی اور مینڈک وغیرہ پانی ہی میں رہتے بستے ہیں، اور پانی ہی ان کا معدن اور مستقر ہے اور یہ بات طے شدہ ہے کہ جو چیز اپنے معدن اور اپنے مسکن میں نجس ہوتی ہے اس پر اس وقت تک نجاست کا حکم نہیں لگایا جاسکتا، تاوقتیکہ وہ اپنے معدن سے سرایت نہ کرجائے؛ اس لیے کہ اگر معدن اور مسکن میں بھی نجاست کا حکم لگادیا جائے، تو کوئی شخص پاک ہی نہیں ہوگا؛ کیونکہ ہر کسی کی رگوں میں خون اور پیٹ میں غلاظت ہوتی ہے، لہٰذا اپنے معدن اور مستقر میں رہتے ہوئے کوئی بھی چیز ناپاک نہیں ہوتی، گرچہ وہ کتنی ہی غلیظ اور بدبودار کیوں نہ ہو، لہٰذا آبی جانوروں کے پانی میں مرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔

(د) بحر و بر میں مینڈک میں فرق، نیز ان دونوں کا حکم: برّی و بحری کی پہچان یہ ہے کہ بحری مینڈک کی انگلیوں کے درمیان بطخ کی طرح جھلی کا پردہ ہوتا ہے جب کہ برّی میں یہ نہیں ہوتا۔ دونوں کے حکم میں فرق ہے وہ یہ کہ جو مینڈک پانی میں رہتا ہے اس کا مسکن پانی ہے اور اس میں خون بھی نہیں ہے؛ اس لیے اس کے پانی میں مرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوگا؛ لیکن جو مینڈک خشکی میں رہتا ہے وہ پانی میں مرجائے تو پانی ناپاک ہوجائے گا؛ کیوں کہ اس میں خون ہے؛ اس لیے وہ پانی میں نہیں رہ سکتا اور پانی اس کا مسکن بھی نہیں ہے؛ کیوں کہ اس کے رہنے کی جگہ خشکی ہے؛ اس لیے اس سے پانی ناپاک ہوجائے گا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال ۲۸، ہدایہ اوّل: ص/۳۸ (خودساختہ)

(الف) عبارت باعراب: وَمَتٰى يَصِيْرُ الْمَاءُ مُسْتَعْمَلًا فَالصَّحِيْحُ أَنَّهُ كَمَا زَالَ عَنِ الْعُضْوِ صَارَ مُسْتَعْمَلًا لِأَنَّ سُقُوْطَ حُكْمِ الْإِسْتِعْمَالِ قَبْلَ الْاِنْفِصَالِ لِلضَّرُوْرَةِ وَلَاضَرُوْرَةَ بَعْدَهُ.

(الف) اعراب لگایئے (ب) ترجمہ کیجیے (ج) تشریح اس طرح کیجیے کہ عبارت بالکل واضح ہوجائے۔

جواب: (ب) ترجمہ: اور پانی کب مستعمل ہوجاتا ہے تو صحیح یہ ہے کہ جونہی وہ عضو سے جدا ہوا تو مستعمل ہوگیا؛ کیونکہ (عضو سے) جدا ہونے سے پہلے استعمال کے حکم کا ساقط ہونا ضرورت کی وجہ سے ہے اور اس کے بعد کوئی ضرورت نہیں رہی۔

(ج) تشریح: اس عبارت میں آبِ مستعمل کے وقت کے متعلق کی گئی ہے، حاصل اس کا یہ ہے کہ علمائے احناف اس پر تو متفق ہیں کہ پانی جب تک عضو پر ہے، اس کو استعمال کا حکم نہیں دیا جائے گا؛ البتہ جب عضو سے جدا ہوگیا؛ لیکن کسی مکان یا برتن میں ٹھہرا نہیں تو اس کے مستعمل ہونے میں اختلاف ہے؛ چنانچہ سفیان ثوری، ابراہیم نخعیؒ اور بعض مشائخ بلخ نے کہا کہ مستعمل نہیں ہوگا، تاوقتیکہ بدن سے جدا ہوکر کسی جگہ نہ ٹھہر جائے، اسی قول کو امام طحاویؒ نے اختیار کیا ہے۔

اور احنافؒ کا مذہب یہ ہے کہ پانی جونہی بدن سے جدا ہوا تو وہ مستعمل ہوگیا، اس کا کسی جگہ جمع ہونا مستعمل ہونے کے لیے شرط نہیں ہے، حتیٰ کہ اگر بدن سے جدا ہوکر پانی کپڑے پر لگ گیا تو کپڑا شیخین کے نزدیک ناپاک ہوجائے گا اور فقہاءِ احناف نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے سر کا مسح کرنا بھول گیا، پھر اس نے اپنی ڈاڑھی سے تری لے کر سر کا مسح کیا تو یہ جائز نہیں ہے۔

دلیل یہ ہے کہ بدن سے جدا ہونے سے پہلے پانی کو استعمال کا حکم ضرورت کی وجہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سے نہیں دیا گیا؛ لیکن جدا ہونے کے بعد کوئی ضرورت نہیں رہی؛ اس لیے بدن سے جدا ہوتے ہی استعمال کا حکم دے دیا جائے گا۔

سوال ۲۹، ہدایہ اوّل: ص/۳۸ (ششماہی ۱۴۳۶ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَالْمَاءُ الْمُسْتَعْمَلُ هُوَ مَا أُزِيْلَ بِهِ حَدَثٌ أَوِ اسْتُعْمِلَ فِي الْبَدَنِ عَلٰى وَجْهِ الْقُرْبَةِ، قَالَ: وَهٰذَا عِنْدَ أَبِي يُوْسُفَ -رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ- وَقِيْلَ هُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيْفَةَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ -رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ- لَا يَصِيْرُ مُسْتَعْمَلًا إِلَّا بِإِقَامَةِ الْقُرْبَةِ لِأَنَّ الْإِسْتِعْمَالَ بِانْتِقَالِ نَجَاسَةِ الْآثَامِ إِلَيْهِ وَإِنَّهَا تُزَالُ بِالْقُرْبَةِ.

(الف) اعراب لگائیں (ب) ترجمہ کریں (ج) ماءِ مستعمل کے بارے میں امام صاحب اور صاحبین رحمہم اللہ کے اقوال مع دلائل لکھیں، نیز قولِ مختار کی تفصیل بھی لکھیں۔

جواب: (ب) ترجمہ: ماءِ مستعمل ہر وہ پانی ہے جس سے حدث زائل کیا گیا ہو، یا بدن پر قربت کے طور پر استعمال کیا گیا ہو، صاحبِ ہدایہ نے کہا: کہ یہ امام یوسفؒ کے نزدیک ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہی امام صاحبؒ کا قول ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ پانی مستعمل نہیں ہوگا؛ مگر قربت سے (یعنی ثواب کی نیت سے) اس کہ لیے پانی مستعمل ہوتا ہے گناہوں کی نجاست اس کی طرف منتقل ہونے سے اور گناہوں کی نجاست زائل ہوتی ہے قربت کی نیت سے۔

(ج) ماءِ مستعمل کے بارے میں امام صاحب اور صاحبین رحمہم اللہ کے اقوال مع دلائل، نیز قولِ مختار کی تفصیل: ماءِ مستعمل کی حقیقت کے بارے میں کلام ہے؛ چنانچہ شیخینؒ کے نزدیک پانی کے مستعمل ہونے کا سبب دو چیزیں ہیں: (۱) حدث دور کرنا (۲) قربت اور ثواب کی نیت کرنا۔ یہ دونوں باتیں پائی جائیں یا دونوں میں سے ایک پائی جائے تو دونوں صورتوں میں پانی مستعمل ہوگا۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک آبِ مستعمل ہونے کا سبب فقط نیتِ قربت ہے۔ اور امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک پانی کے مستعمل

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہونے کا سبب فقط حدث زائل کرنا ہے، پس اگر کسی محدث (بے وضو) نے قربت اور ثواب کے ارادے سے وضو کیا تو بالاتفاق پانی مستعمل ہوجائے گا اور اگر کسی باوضو آدمی نے ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے وضو کیا تو شیخینؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک پانی مستعمل ہوجائے گا اور امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک مستعمل نہیں ہوگا۔ امام محمدؒ کے نزدیک اس لیے کہ قربت اور ثواب کا ارادہ نہیں پایا گیا اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس لیے کہ حدث کا زائل کرنا نہیں پایا گیا، اور اگر کسی باوضو آدمی نے قربت اور ثواب کی نیت سے وضو پر وضو کیا ہو تو امام ابوحنیفہؒ اور امام یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک پانی مستعمل ہوجائے گا۔ اور امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک مستعمل نہیں ہوگا۔

امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ استعمال تو گناہوں کی نجاست، اس کی طرف منتقل ہونے سے ہوتا ہے اور یہ نجاست صرف قربت اور ثواب کی نیت سے زائل کی جاتی ہے، پس معلوم ہوا کہ پانی بغیر قربت کی نیت کے مستعمل نہیں ہوگا۔ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ فرض ساقط کرنا یعنی حدث زائل کرنا بھی مؤثر ہے۔ حاصل یہ کہ شیخینؒ کے نزدیک پانی کا وصف اس وقت متغیر ہوگا جبکہ نجاستِ حکمیہ زائل ہوکر پانی کی طرف منتقل ہوجائے۔ اور نجاستِ حکمیہ دونوں صورتوں میں پانی کی طرف منتقل ہوجاتی ہے، لہٰذا افسادِ ماء یعنی پانی کا مستعمل ہونا دونوں باتوں سے ثابت ہوجائے گا (۱- حدث دور کرنے سے ۲- قربت اور ثواب کی نیت کرنے سے)۔

سوال ۳۰، ہدایہ اوّل: ص/۳۹ (داخلہ امتحان ۱۴۲۱ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَكُلُّ إِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ وَجَازَتِ الصَّلَاةُ فِيهِ وَالْوُضُوءُ مِنْهُ إِلَّا جِلْدَ الْخِنْزِيرِ وَالْآدَمِيِّ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَيُّمَا إِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ وَهُوَ بِعُمُومِهِ حُجَّةٌ عَلَىٰ مَالِكٍ فِي جِلْدِ الْمَيْتَةِ، وَلَا يُعَارَضُ بِالنَّهْيِ الْوَارِدِ عَنِ الْانْتِفَاعِ مِنَ الْمَيْتَةِ بِإِهَابٍ لِأَنَّهُ اِسْمٌ لِغَيْرِ الْمَدْبُوغِ وَحُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ فِي جِلْدِ الْكَلْبِ.

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) عبارت کا مطلب لکھیں (ج) دباغت کے سلسلے میں ائمہ کے مذاہب مع دلائل تحریر کریں (د) دباغت کی تعریف کریں۔

جواب: ترجمہ: اور ہر وہ کچی کھال جس کو دباغت دیدی گئی ہو وہ پاک ہوجاتی ہے اور اس کھال پر نماز ادا کرنا جائز ہے اور اس کھال سے وضو کرنا جائز ہے سوائے خنزیر اور آدمی کے کھال کے اور دباغت سے کھال پاک ہونے کی دلیل آپ علیہ السلام کا قول ہے کہ جس کھال کو دباغت دی جائے وہ پاک ہوجاتی ہے، اور یہ حدیث اپنے عموم کی وجہ سے مردار کی کھال کے حق میں حضرت امام مالکؒ کے خلاف حجت ہے، اور اس نہی سے کوئی معارضہ نہیں کیا جائے گا جو مردار کی کھال سے فائدہ اٹھانے کے بارے میں وارد ہوئی ہے؛ اس لیے اہاب بغیر دباغت دی ہوئی کھال کا نام ہے اور (یہ حدیث) کتے کے کھال کے حق میں امام شافعیؒ کے خلاف حجت ہے۔

(ب) **عبارت کا مطلب:** اس عبارت میں مصنفؒ نے جانور کی دباغت دی ہوئی کھال کے مسئلہ کو بیان کیا ہے، اہاب (بکسر الہمزہ) کچی کھال کو کہتے ہیں، مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی جانور کی کھال کو بشرطے کہ وہ نجس العین نہ ہو، دباغت دی جائے تو پھر اس کھال سے بنے ہوئے مصلی پر نماز ادا کرنا یا اس سے بنے ہوئے مشکیزہ سے وضو کرنا یا اس کھال کا لباس بنا لینا جائز ہے اور جواز کی دلیل آپ علیہ السلام کا قول ہے کہ ”کچی کھال کو جب دباغت دیدیا جائے تو وہ پاک ہوجاتی ہے“، پس جب کھال پاک ہوجاتی ہے تو اس کو کسی بھی کام میں استعمال کرنا جائز ہے، اب اس میں اختلاف ہے کہ کون سی کھال دباغت دینے سے پاک ہوجاتی ہے اور کون سی نہیں۔

امام اعظمؒ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ خنزیر اور انسان کی کھال کے علاوہ ہر طرح کی کھال خواہ مردار ہی کیوں نہ ہو دباغت سے پاک ہوجاتی ہے۔

اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مردار کی کھال دباغت دینے سے پاک نہیں ہوتی ان کے علاوہ کھالیں دباغت دینے سے پاک ہوجاتی ہیں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ صرف ماکول اللحم جانور کی کھال دباغت سے پاک ہوتی ہے کتے اور غیر ماکول اللحم کی کھال پاک نہیں ہوتی۔

احنافؒ کی دلیل حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے: "أیما إهاب دُبِغ فقد طهر" اس روایت سے ان حضرات کا استدلال اس طور پر ہے کہ آپ علیہ السلام نے اپنے اس ارشاد میں ہر مطلق کھالوں کو (خواہ مردار کی ہوں یا غیرِ مردار کی) دباغت کے بعد پاک قرار دیا ہے، پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر قسم کی کھال بشرطے کہ خنزیر یا انسان کی نہ ہو دباغت دینے کے بعد پاک ہو جاتی ہے۔

اور حضرت امامؒ کی دلیل حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے "لاتنتفعوا من المَیتة بإهابٍ ولا عصبٍ" کہ تم مردار کی کھال اور پٹھے سے فائدہ نہ اٹھاؤ۔ استدلال اس طور پر ہے کہ آپؐ نے مردار کی کھال سے فائدہ اٹھانے کو منع فرمایا ہے، پس جب اس سے نفع اٹھانا ممنوع ہے، تو یہ کھال دباغت دینے سے پاک بھی نہیں ہوگی۔

اور حضرت امام شافعیؒ نے اپنے مسلک پر قیاس کے ذریعے استدلال کیا ہے، قیاس یہ ہے کہ خنزیر غیر ماکول اللحم اور نجس العین ہے، اس کی کھال دباغت دینے سے پاک نہیں ہوتی، اسی طرح کتا بھی غیر ماکول اللحم ہے، پس اس کی یا کسی بھی غیر ماکول اللحم جانور کی کھال دباغت دینے سے پاک نہیں ہوگی۔

(ج) دباغت کے سلسلے میں ائمہ کے مذاہب مع دلائل: حضرت امام مالکؒ کی دلیل کا جواب دیا جاتا ہے کہ جس حدیث کو لے کر آپ نے اپنے مسلک کی تائید کی ہے اس میں حضور علیہ السلام نے لفظ "إهاب" فرمایا ہے اور إهاب بمعنیٰ کچی کھال ہے اور اس بات کے ہم بھی قائل ہیں کہ مردار کی کچی کھال سے نفع اٹھانا حرام ہے؛ لیکن ہماری بحث دباغت کے بعد کھال سے نفع اٹھانے کے متعلق ہے اور دباغت کے بعد مردار کی کھال سے نفع اٹھانا جائز ہے جس پر ہماری پیش کردہ دلیل کا عموم دلالت کرتا ہے۔

اور حضرت امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ آپ نے قیاس کو دلیل بنایا ہے اور

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

قیاس کی وجہ سے غیر ماکول اللحم کی کھال کو دباغت کے بعد بھی پاک قرار نہیں دیا ہے؛ حالاں کہ بہت سی احادیث ان کی کھالوں کو دباغت دینے کے بعد پاک قرار دیتی ہیں، پس ان احادیث کے مقابلے میں آپ کے قیاس کی کوئی اہمیت نہیں ہے، لہٰذا حدیث پر عمل کیا جائے گا اور قیاس کو ترک کر دیا جائے گا۔

(د) دباغت کی تعریف: دباغت دھوپ یا دوائی وغیرہ کے ذریعے جانور کی کچی کھال کی رطوبت کے دُور کرنے اور اس کے خشک کرنے کو کہتے ہیں۔

سوال ۳۱، ہدایہ اوّل: ص/۴۰ (خودساختہ)

(الف) عبارت باعراب: فَإِنْ وَقَعَ فِيهَا خُرْءُ الْحَمَامِ أَوِ الْعُصْفُورِ لَايَفْسُدُهُ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ لَهُ أَنَّهُ اِسْتِحَالَ إِلَىٰ نَتْنٍ وَفَسَادٍ فَأَشْبَهَ خُرْءَ الدَّجَاجَةِ وَلَنَا اِجْمَاعُ الْمُسْلِمِينَ عَلَىٰ اِقْتِنَاءِ الْحَمَامَاتِ فِي الْمَسَاجِدِ مَعَ وُرُودِ الْأَمْرِ بِتَطْهِيرِهَا وَاسْتِحَالَتُهُ لَا إِلَىٰ نَتْنٍ رَائِحَةٍ، فَأَشْبَهَ الْحُمَّةَ.

(الف) اعراب لگائیے (ب) ترجمہ کیجیے (ج) کبوتر اور گوریے کی بیٹ کے سلسلے میں علماء کا اختلاف مع دلائل لکھئے (د) امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب لکھئے۔

جواب: **(ب) ترجمہ:** پس اگر کنویں میں کبوتر یا گوریے کی بیٹ گر جائے تو کنویں کو خراب نہیں کرے گی۔ امام شافعیؒ کا اختلاف ہے؛ اس لیے کہ یہ بیٹ بدبو اور فساد کی طرف مستحیل ہوگئی، پس وہ مرغی کی بیٹ کے مشابہ ہوگئی۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ مؤمنین (صحابہؓ وتابعینؒ) نے مسجدوں میں کبوتروں کے رکھنے پر اجماع کیا ہے باوجودیکہ مسجدوں کے پاک رکھنے کا حکم وارد ہے اور اس کا استحالہ بدبو کی طرف نہیں ہے، پس وہ مٹی (کیچڑ) کے مشابہ ہے۔

(ج) کبوتر اور گوریہ کی بیٹ کا اختلاف مع الدلیل: کبوتر اور گوریے کی بیٹ میں علماء کا اختلاف ہے؛ چنانچہ ہمارے نزدیک پاک ہے، اگر کنویں میں پڑ جائے تو کنواں ناپاک نہیں ہوگا۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ناپاک ہے، اس کے گرنے سے کنواں ناپاک ہو جائے گا اور قیاس بھی اسی کا مقتضی ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ غذا کا اپنی حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہوجانا دوطرح کا ہوتا ہے، ایک یہ کہ بدبو اور فساد کی طرف منتقل ہوجائے جیسے پیشاب، پاخانہ اور یہ بالاتفاق نجس ہے اور دوم یہ کہ صلاح اور عمدگی کی طرف منتقل ہوجائے جیسے انڈا، دودھ اور شہد اور یہ بالاتفاق پاک ہے، پس کبوتر وغیرہ کی بیٹ قسم اوّل سے ہے، لہٰذا یہ مرغی کی بیٹ کے مشابہ ہوگئی اور مرغی کی بیٹ بالاتفاق ناپاک ہے؛ اس لیے کبوتر وغیرہ کی بیٹ بھی ناپاک ہوگی۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ صحابہؓ اور تابعینؒ نے مسجدوں میں کبوتروں کے رکھنے پر اجماع کیا ہے باوجودیکہ مسجدوں کے پاک رکھنے کا حکم ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ﴾ میرے گھر یعنی مسجد کو پاک رکھو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جَنِّبُوْا مَسَاجِدَكُمْ صِبْيَانَكُمْ" یعنی بچوں کو مسجدوں سے دُور رکھو؛ چونکہ بچوں کی وجہ سے مسجدوں کے گندہ ہونے کا امکان تھا؛ اس لیے اللہ کے رسول نے اس امکانی دروازے کو بھی بند فرمادیا۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے:

"بِبِنَاءِ الْمَسَاجِدِ فِي الدُّوْرِ وَأَنْ تُنَظَّفَ وَتُطَيَّبَ. رَوَاهُ ابْنُ حِبَانَّ فِيْ صَحِيْحِهِ".

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گھروں میں مسجدیں بنانے اور ان کے پاکیزہ اور ستھرا رکھنے کا حکم دیا ہے۔

اور ابوداؤد کی روایت ہے:

"عَنْ سَمُرَةَ أَنَّهُ كَتَبَ إِلٰى بَنِيْهِ أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْمُرُنَا أَنْ نَصْنَعَ الْمَسَاجِدَ فِيْ دُوْرِنَا وَنَصْلَحَ صَنْعَتَهَا وَنُطَهِّرَهَ".

"حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو لکھا کہ ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھروں میں مسجدیں بنانے اور ان کو پاک رکھنے کا حکم دیتے تھے"۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ان دونوں حدیثوں سے بھی ثابت ہوا کہ مساجد کو پاک رکھنا ضروری ہے اور اس مسئلہ کی اصل ابوامامہ باہلیؓ کی حدیث ہے:

"إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَكَرَ الْحَمَامَةَ وَقَالَ إِنَّهَا أَوْ كَرَتْ عَلٰى بَابِ الْغَارِ حَتّٰى سَلِمْتُ فَجَازَاهَا اللّٰهُ تَعَالٰى بِأَنْ جَعَلَ الْمَسَاجِدَ مَأْوَاهَا"

"یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبوتر کا شکر ادا کیا اور فرمایا کہ اس نے غار کے دروازے پر گھونسلا بنایا جس کی وجہ سے میں سلامت رہا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ بدلہ دیا کہ مساجد کو اس کا ٹھکانا بنادیا"۔

حاصل یہ کہ صحابہؓ بغیر نکیر کے کبوتروں کو مسجد میں رہنے دیتے تھے، حتیٰ کہ مسجد الحرام میں کبوتروں کا اجتماع رہتا تھا اور کبوتروں سے جو بیٹ ہوتی ہے اس کو بھی سب جانتے تھے، پس صحابہ رضی اللہ عنہم کا بالاجماع مساجد میں کبوتروں کو رکھنے کی اجازت دینا اس بات کی دلیل ہے کہ کبوتروں کی بیٹ پاک ہے۔

(د) امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب: اور امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ ناپاک ہونے کا سبب دو چیزیں ہیں، ایک بدبو، دوم فساد اور کبوتر وغیرہ کی بیٹ میں بدبو موجود نہیں ہوتی اور انتفاءِ جز مستلزم ہوتا ہے انتفاءِ کل کو، یعنی نجاست کے سبب کا ایک جز منتفی ہونے سے پورا سبب منتفی ہوگیا اور جب سبب نجاست منتفی ہوگیا، تو کبوتر کی بیٹ نجس نہیں ہوگی۔ اور اگر امام شافعیؒ کی طرف سے یہ اعتراض کیا جائے کہ تنہا فساد بھی موجبِ نجس ہے، تو ہم جواب دیں گے کہ منی فساد غذا ہے؛ مگر امام شافعیؒ منی کے پاک ہونے کے قائل ہیں اور اسی طرح کھانے کی تمام چیزیں زیادہ دیر گزرنے کی وجہ سے فاسد (خراب) ہوجاتی ہیں؛ مگر ناپاک نہیں ہوتیں، پس معلوم ہوا کہ تنہا فساد موجبِ نجس نہیں ہے، حاصل یہ کہ کبوتر وغیرہ کی بیٹ زمین کی تہ کی سیاہ مٹی کے مشابہ ہوگئی اور زمین کی تہ کی سیاہ مٹی بالاتفاق نجس نہیں ہے؛ اس لیے کبوتر وغیرہ کی بیٹ بھی نجس نہیں ہوگی۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال ۳۲، ہدایہ اوّل: ص/۴۰ (داخلہ امتحان ۱۴۲۶ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَشَعْرُ الْمَيْتَةِ وَعَظْمُهَا طَاهِرٌ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ -رَحِمَهُ اللّٰهُ- نَجِسٌ لِأَنَّهُ مِنْ أَجْزَاءِ الْمَيْتَةِ، وَلَنَا أَنَّهُ لَاحَيَاةَ فِيهِمَا وَلِهٰذَا لَا يَتَأَلَّمُ بِقَطْعِهِمَا فَلَايَحُلُّهُمَا الْمَوْتُ، إِذِ الْمَوْتُ زَوَالُ الْحَيَاةِ.

(الف) اعراب لگایئے (ب) ترجمہ کریں (ج) دورانِ تشریح احناف وشوافع کے اختلاف کو مدلل لکھیں (د) امام شافعیؒ کی عقلی دلیل کا جواب لکھیں۔

جواب: (ب) ترجمہ: اور مردار کا بال اور اس کی ہڈی پاک ہے اور امام شافعیؒ نے کہا: ناپاک ہے؛ اس لیے کہ وہ میت کے اجزاء میں سے ہے، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اس میں زندگی نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کو کاٹنے سے تکلیف نہیں ہوتی؛ اس لیے ان دونوں میں موت بھی اثر نہیں کرے گی؛ اس لیے کہ موت زندگی کے زوال کا نام ہے۔

(ج) تشریح: یہاں سے مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مردار چاہے ماکول اللحم ہو چاہے غیر ماکول اللحم، اس کی وہ چیزیں جن میں خون یا رطوبت نہیں ہوتی وہ چیزیں بغیر دباغت دیے بھی پاک ہیں، جیسے: بال، ہڈی، کھر اور سینگ، یہ الگ بات ہے کہ اگر ان پر رطوبت لگی ہوئی ہو تو اسے دھولے؛ کیونکہ یہ اشیاء تو پاک ہیں؛ لیکن ان پر لگی ہوئی رطوبت ناپاک ہے، یہی ہمارا مسلک ہے۔ یعنی احناف کا، اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ سب ناپاک ہیں یعنی امام شافعیؒ کھال کے علاوہ ساری چیزوں کو ناپاک کہتے ہیں، ان کی دلیل ہے کہ یہ چیزیں مردار کے اجزاء میں سے ہیں اور مردار بالاتفاق ناپاک ہے، لہٰذا ان کے اجزاء بھی ناپاک ہوں گے۔

(د) امام شافعیؒ کی عقلی دلیل کا جواب: ولنا: یہاں سے مصنفؒ نے ہماری دلیل ذکر کی ہے۔ کہ ان دونوں میں زندگی نہیں ہوتی؛ اس لیے کہ جب انھیں کاٹا جاتا ہے تو تکلیف نہیں ہوتی اور جب تکلیف نہیں ہوتی ہے تو گویا کہ اس میں موت بھی اثر انداز نہیں ہوئی اور جب موت اثر انداز نہیں ہوئی تو گویا ان میں موت نہیں ہوئی اور جب

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

موت نہیں ہوئی تو یہ مردار بھی نہیں ہوئے۔

یہی ہماری عقلی دلیل دراصل امام شافعیؒ کی عقلی دلیل کا جواب ہے، غور کر لیجیے۔

سوال ۳۳، ہدایہ اوّل: ص/۴۱ (سالانہ ۱۴۳۳ھ)

(الف) عبارت باعراب: فَإِنْ بَالَتْ فِيهَا شَاةٌ نُزِحَ الْمَاءُ كُلُّهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَايُنْزَحُ إِلَّا إِذَا غَلَبَ عَلَى الْمَاءِ فَيَخْرُجُ مِنْ أَنْ يَكُونَ طَهُورًا وَأَصْلُهُ أَنَّ بَوْلَ مَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ طَاهِرٌ عِنْدَهُ نَجِسٌ عِنْدَهُمَا لَهُ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِشُرْبِ أَبْوَالِ الْإِبِلِ وَأَلْبَانِهَا وَلَهُمَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ "اِسْتَنْزِهُوْا مِنَ الْبَوْلِ فَإِنَّ عَامَّةَ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْهُ مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ".

(الف) اعراب لگائیے (ب) ترجمہ کیجیے (ج) مطلب لکھتے ہوئے اختلافِ ائمہ مع دلائل لکھیں (د) اصل اختلاف کو لکھیں (ہ) کیا پیشاب بطورِ دوا استعمال جائز ہے یا ناجائز، لکھیں؟

جواب: (ب) ترجمہ: پھر اگر بکری کنویں میں پیشاب کر دے تو امام صاحبؒ اور امام یوسفؒ کے نزدیک تمام پانی کو نکالا جائے گا اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ کنویں کا پانی نہیں نکالا جائے گا؛ مگر یہ کہ پیشاب پانی پر غالب آجائے تو پھر پانی مطہر ہونے سے نکل جائے گا اور اس اختلاف کی اصل بنیاد یہ ہے کہ جس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہے اس کا پیشاب امام محمدؒ کے نزدیک پاک ہے، اور حضرات شیخینؒ کے نزدیک ناپاک ہے، حضرت امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے قبیلۂ عرینہ کے لوگوں کو اونٹوں کے پیشاب اور دودھ پینے کا حکم فرمایا تھا، اور شیخینؒ کی دلیل آپ علیہ السلام کا قول ہے "استنزهوا عن البولِ فإنّ عامّةَ عذاب القبر منه" ہے کہ پیشاب پینے سے بچو؛ اس لیے کہ اکثر عذابِ قبر اسی کی وجہ سے ہوتا ہے اور اس حدیث میں ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم کی کوئی تفصیل نہیں ہے۔

(ج) مطلب، نیز اختلافِ ائمہ مع دلائل: اس عبارت میں مصنفؒ نے کنویں میں بکری وغیرہ کے پیشاب کر دینے کے بعد کنویں کے پاک اور ناپاک ہونے کا مسئلہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

بیان کیا ہے کہ اگر بکری وغیرہ کسی کنویں میں پیشاب کر دیتی ہے تو کنواں پاک رہتا ہے یا ناپاک ہوجاتا ہے، اس سلسلے میں فقہاء کا اختلاف ہے؛ چناں چہ امام صاحبؒ اور امام یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر بکری وغیرہ کسی کنویں میں پیشاب کردیں تو کنواں ناپاک ہوجاتا ہے، پھر اس کو پاک کرنے کے لیے اس کے تمام پانی کو نکالنا ضروری ہوتا ہے۔

ان کی دلیل حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے: "استنزهوا عن البولِ فإن عامّة عذاب القبر منه" اس حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤمنین کو پیشاب سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے اور ارشاد فرمایا کہ اکثر عذابِ قبر اسی کی وجہ سے ہوتا ہے، پس یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ پیشاب ناپاک ہے، اگر یہ پاک ہوتا تو اس کی وجہ سے عذابِ قبر نہ ہوتا، پس اس سے ثابت ہوا کہ جب ناپاک ہے تو کنویں میں اس کا گرنا کنویں کے پانی کو ناپاک کردے گا اور دوبارہ اس کو پاک کرنے کے لیے اس کے تمام پانی کو نکالنا پڑے گا۔

اور امام محمدؒ کا ہے کہ اگر بکری یا کوئی بھی ماکول اللحم جانور کنویں میں پیشاب کردے تو جب تک وہ پیشاب پانی پر غالب نہیں آجاتا ہے تو کنواں پاک رہتا ہے۔

اس کو پاک کرنے کے لیے پانی کے نکالنے کی ضرورت نہیں ہے؛ لیکن جب پیشاب پانی پر غالب آجائے تو اب وہ کنویں کا پانی صفتِ مطہریت سے نکل کر صرف طاہر رہ جاتا ہے اور کنواں اس صورت میں بھی پاک رہتا ہے۔

ان کی دلیل اہلِ عرنیین کا واقعہ ہے، واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ قبیلۂ عرینہ اور قبیلۂ عکل کے کچھ لوگ مسلمان ہوکر مدینہ آئے؛ لیکن مدینہ کی آب وہوا ان کو موافق نہیں آئی اور ان کے پیٹ پھول گئے، تو آپ علیہ السلام نے ان کو صدقہ کے اونٹوں کا پیشاب اور دودھ پینے کا حکم فرمایا جیسے پینے کے بعد یہ لوگ صحت یاب ہوگئے اور پھر دوبارہ مرتد ہوگئے اور آپ علیہ السلام کے چرواہے کو شہید کرکے اونٹوں کو ہنکا کر لے گئے، نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو پکڑا گیا اور قتل کردیا گیا۔ اس واقعہ سے امام محمدؒ نے استدلال اس طور پر کیا ہے کہ آپ علیہ السلام کا ماکول اللحم کا پیشاب پینے کا امر فرمانا، یہ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

یہ پاک ہے؛ کیوں کہ اگر یہ ناپاک ہوتا تو آپ کبھی بھی اس کے پینے کا حکم نہ کرتے، پس جب یہ ناپاک نہیں ہے تو پھر کنویں میں اس کے گرنے سے کنواں بھی ناپاک نہیں ہوگا؛ البتہ اس کے پانی پر غالب آجانے کے بعد پانی مطہر نہیں رہے گا۔

(د) اصل اختلاف: اس مسئلہ میں اختلاف کی اصل بنیاد ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب کے پاک اور ناپاک ہونے میں ہے، حضرات شیخینؒ کے نزدیک ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم ہر طرح کے جانوروں کا پیشاب ناپاک ہے اور پانی وغیرہ اس کے گرنے سے ناپاک ہوجانے میں اور امام محمدؒ کے نزدیک ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب پاک ہے، اس کے گرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا ہے۔

(ہ) کیا پیشاب بطورِ دوا استعمال جائز ہے یا ناجائز؟ امام صاحبؒ کے نزدیک ماکول اللحم یا غیر ماکول اللحم جانور کا پیشاب بطورِ دوا کے پینا درست نہیں ہے اور امام یوسفؒ کے نزدیک گرچہ ناپاک ہے؛ لیکن علاجاً بطورِ دوا استعمال کرنا اہلِ عرینہ کے واقعہ کی وجہ سے درست ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب ناپاک ہی نہیں ہے۔

سوال ۳۴، ہدایہ اوّل: ص ۴۱/ (ششماہی ۱۴۳۷ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَإِنْ مَاتَتْ فِيهَا عُصْفُورَةٌ أَوْ فَارَةٌ أَوْ صَعْوَةٌ أَوْ سُوْدَانِيَّةٌ أَوْ سَامٌّ أَبْرَصُ نُزِحَ مِنْهَا مَا بَيْنَ عِشْرِيْنَ دَلْوًا إِلٰى ثَلَاثِيْنَ بِحَسَبِ كِبَرِ الدَّلْوِ وَصِغَرِهَا يَعْنِي بَعْدَ إِخْرَاجِ الْفَارَةِ.

(الف) اعراب لگائیے (ب) ترجمہ کریں (ج) مختصر تشریح کریں (د) بتائیے کہ بیس اور تیس میں کون سا واجب ہے؟ (ہ) مرغی اور کبوتر میں کتنی مقدار کا نکالنا واجب ہے؟ نیز راجح قول لکھئے، اگر یہ جانور پھٹ جائیں تو کیا حکم ہے؟

جواب: (ب) ترجمہ: اور اگر کنویں میں چڑیا یا چوہا یا مولا یا بھنگا یا چھپکلی مرجائے تو بیس سے تیس ڈول نکالے جائیں گے، ڈول کے بڑے اور چھوٹے ہونے کے لحاظ سے یعنی چوہا نکالنے کے بعد۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ج) **مختصر تشریح:** یہاں سے مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر چوہا یا اس جیسا چھوٹا جانور اس (کنویں) میں گر کر مر جائے اور ابھی پھولے پھٹے نہیں، تو بیس سے تیس ڈول تک نکالے جائیں گے۔

(د) **بیس اور تیس میں کون سا واجب ہے؟** بیس اور تیس ڈول میں بیس ڈول نکالنا واجب ہے، رہا تیس ڈول نکالنے کا حکم تو وہ بطورِ استحباب ہے۔

(ہ) **مرغی اور کبوتر میں کتنی مقدار کا نکالنا واجب ہے؟** مرغی اور کبوتر میں چالیس سے ساٹھ ڈول تک نکالنا ضروری ہے یعنی چالیس ڈول بطورِ وجوب اور ساٹھ ڈول بطورِ استحباب۔

راجح قول: راجح قول پچاس ہے۔

اگر یہ جانور پھٹ جائیں تو کیا حکم ہے؟ اگر یہ جانور کنویں میں پھٹ جائیں تو پورے پانی کا نکالنا ضروری ہے؛ کیونکہ پھولنے اور پھٹنے کی وجہ سے نجاست پورے کنویں میں پھیل جاتی ہے؛ اس لیے چھوٹا جانور ہو یا بڑا، اگر پھٹ جائے تو پورے کنویں کا پانی نکالا جائیگا۔

سوال ۳۵، ہدایہ اوّل: ص ۴۳ (ششماہی ۱۴۳۲ھ)

(الف) **عبارت باعراب:** وَعَرَقُ كُلِّ شَيْئٍ مُعْتَبَرٌ بِسُؤْرِهِ لِأَنَّهُمَا يَتَوَلَّدَانِ مِنْ لَحْمِهِ فَأَخَذَ أَحَدُهُمَا حُكْمَ صَاحِبِهِ وَسُؤْرُ الْآدَمِيِّ وَمَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ طَاهِرٌ، لِأَنَّ الْمُخْتَلِطَ بِهِ اللُّعَابُ وَقَدْ تَوَلَّدَ مِنْ لَحْمٍ طَاهِرٍ فَيَكُوْنُ طَاهِرًا وَيَدْخُلُ فِي هٰذَا الْجَوَابِ الْجُنُبُ، وَالْحَائِضُ وَالْكَافِرُ.

(الف) اعراب لگائیں (ب) ترجمہ کریں (ج) عبارت کی اچھی طرح تشریح کریں، نیز ویدخل سے مصنف کیا کہنا چاہتے ہیں لکھیں؟

جواب: (ب) ترجمہ: ہر جانور کے پسینے کا اعتبار اس کے جھوٹے کے ساتھ ہے؛ اس لیے کہ دونوں اس کے گوشت سے پیدا ہوتے ہیں؛ اس لیے ایک کا حکم دوسرے کے لیے ہوگا۔ اور آدمی اور جس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہے اس کا جھوٹا پاک ہے؛ اس لیے کہ پانی کے ساتھ لعاب ملتا ہے اور لعاب پاک گوشت سے پیدا ہوتا ہے، لہٰذا وہ پاک ہوگا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اوراس جواب میں جنبی، حائضہ عورت اور کافر بھی داخل ہوگا۔

(ج) عبارت کی تشریح: مصنف علیہ الرحمہ اس عبارت میں جھوٹے کے بارے میں بتارہے ہیں۔فرماتے ہیں کہ ہر جانور کے پسینے کا اعتبار اس کے جھوٹے کے ساتھ ہے ہر جاندار کے پسینہ کو اس کے سور پر قیاس کیا جائے گا یعنی جو حکم سور کا ہوگا وہی حکم پسینہ کا ہوگا۔اور دونوں یعنی تھوک اور پسینہ گوشت سے پیدا ہوتے ہیں؛ اس لیے جس کا گوشت حلال ہے اس کا جھوٹا اور پسینہ پاک ہوگا؛ اس لیے کہ حلال گوشت سے دونوں پیدا ہوئے ہیں اور جس کا گوشت کھانا حلال نہیں ہے اس کا جھوٹا اور پسینہ دونوں ناپاک ہوئے؛ کیونکہ یہ دونوں ناپاک گوشت سے پیدا ہوئے؛ اس لیے جو حکم گوشت کا ہوگا وہی حکم اس کے پسینے اور تھوک کا ہوگا، لہٰذا اگر گوشت پاک ہے تو تھوک اور پسینہ دونوں پاک ہوں گے اور اگر گوشت ناپاک ہے تو تھوک اور پسینہ دونوں ناپاک ہوں گے۔

اسی طرح سے آدمی اور جس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہے اس کا جھوٹا پاک ہے؛ اس لیے کہ تھوک گوشت سے پیدا ہوتا ہے؛ اس لیے جو حکم گوشت کا ہے وہی حکم تھوک کا ہوگا۔ آدمی کا تھوک تو پاک ہے ہی اور جن جانوروں کا گوشت حلال ہے ان کا تھوک بھی پاک ہے، لہٰذا دونوں حلال ہوں گے اور جھوٹا پاک ہوگا۔

ولأنّ المختلط: یہاں سے مصنف عقلی دلیل دے رہے ہیں، فرماتے ہیں کہ جس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہے اس کا تھوک پاک ہے؛ کیونکہ تھوک میں لعاب ملا ہوگا اور لعاب حلال گوشت سے پیدا ہوا ہے اور پانی پیتے وقت لعاب ہی پانی سے ملتا ہے؛ اس لیے حلال جانوروں کا جھوٹا ان کے تھوک کی طرح پاک ہے، باقی رہا انسان کا گوشت تو وہ اس کی کراہیت کی وجہ سے نہیں کھاسکتے؛ ورنہ بنفسہٖ اس کا گوشت حلال ہے؛ اس لیے ان کا جھوٹا پاک ہوگا۔

ویدخل سے مصنف کیا کہنا چاہتے ہیں لکھیں؟ یہاں سے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ جنبی مرد اور جنبی عورت کا جھوٹا بھی پاک ہوگا، اسی طرح حائضہ عورت، اور کافر کا جھوٹا۔وجہ یہ ہے کہ جنبی کا تھوک ناپاک نہیں ہے، اسی طرح سے حائضہ اور کافر، ان سب

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کا تھوک پاک ہے، رہا کافر کے سلسلے میں تو ان کا جھوٹا پاک ہے؛ اس لیے کہ نجاست جو ہے وہ باطن میں ہے منہ اور تھوک میں نجاست نہیں ہے۔

سوال ۳۶، ہدایہ اوّل: ص ۴۳ (ششماہی ۱۴۳۲ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَسُؤْرُ الْكَلْبِ نَجِسٌ وَيُغْسَلُ الْإِنَاءُ مِنْ وُلُوْغِهٖ ثَلَاثًا لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ يُغْسَلُ الْإِنَاءُ مِنْ وُلُوْغِ الْكَلْبِ ثَلَاثًا وَلِسَانُهٗ يُلَاقِي الْمَاءَ دُوْنَ الْإِنَاءِ فَالْمَاءُ أَوْلٰى وَهٰذَا يُفِيْدُ النَّجَاسَةَ وَالْعَدَدَ فِي الْغَسْلِ، وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ فِي اشْتِرَاطِ السَّبْعِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگائیں (ب) ترجمہ کریں (ج) عبارت کی تشریح کریں (د) امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب دیں (ہ) اور بتائیں کہ مصنفؒ ولسانہ سے کیا بتانا چاہتے ہیں؟

جواب: (ب) ترجمہ: اور کتے کا جھوٹا ناپاک ہے اور برتن میں اس کے منہ ڈالنے کی وجہ سے تین مرتبہ دھویا جائے گا، وجہ نبی علیہ السلام کے فرمانے کی وجہ سے کہ برتن کو کتے کے چاٹنے کی وجہ سے تین مرتبہ دھونا چاہیے، اور اس کی زبان پانی سے متصل ہوتی ہے برتن سے متصل نہیں ہوتی ہے، پس جب برتن ناپاک ہوجاتا ہے تو پانی بدرجۂ اولیٰ ناپاک ہوگا اور یہ حدیث اسی بات کا فائدہ دیتی ہے کہ پانی ناپاک ہوگیا ہے، نیز یہ حدیث برتن کو دھونے میں تین کے عدد کا فائدہ بھی دیتی ہے اور برتن دھونے میں سات مرتبہ کی شرط لگانے میں یہ حدیث حضرت امام شافعیؒ کے خلاف حجت ہے۔

(ج) عبارت کی تشریح: اس عبارت میں مصنفؒ نے کتے کے چاٹے ہوئے برتن کی اور اس میں موجود چیز کی پاکی اور ناپاکی کے مسئلہ کو بیان کیا ہے، اس میں اختلاف ہے، امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر کتا کسی برتن میں منہ ڈال دے، تو برتن ناپاک نہیں ہوتا ہے اور ان کے علاوہ تمام فقہاء کے نزدیک برتن اور اس میں موجود چیز دونوں ناپاک ہوجاتے ہیں اور برتن میں موجود چیز کو پھینک کر برتن کو دھوکر پاک کرنا ضروری ہے۔ رہا یہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال کہ جب کتے نے برتن میں منھ ڈال دیا تو وہ برتن ناپاک ہوجاتا ہے، تو اب اس کو پاک کرنے کے لیے کتنی مرتبہ دھونا ضروری ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اس سلسلے میں اختلاف ہے؛ چناں چہ امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک کتے کے چاٹے ہوئے برتن کو صرف تین مرتبہ دھولینا کافی ہے۔

اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک کتے کے چاٹے ہوئے برتن کو سات مرتبہ دھونا ضروری ہے۔

احنافؒ کی دلیل حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے، وہ یہ ہے: "یغسل الإناء من ولوغ الکلب ثلاثا" ہے، استدلال اس طور پر ہوگا کہ آپ علیہ السلام نے کتے کے چاٹے ہوئے برتن کو تین مرتبہ دھونے کا حکم فرمایا ہے، پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تین مرتبہ دھونے سے پاک ہوجاتا ہے، اس کو تین مرتبہ سے زائد دھونا ضروری نہیں ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل حضرت عبداللہ بن مغفلؓ کی حدیث ہے: "إذا ولغ الکلب في إنائکم فاغسلوه سبعًا وعفروه الثامنة بالتُّراب" کہ جب کسی کے برتن میں کتا منھ ڈال دے تو اسے چاہیے کہ برتن کو سات مرتبہ دھوئے اور آٹھویں مرتبہ مٹی سے پاک کرے۔ استدلال اس طور پر ہے کہ اس حدیث میں آپ علیہ السلام نے کتے کے چاٹے ہوئے برتن کو سات مرتبہ دھونے کا حکم فرمایا ہے، پس اس کو پاک کرنے کے لیے سات مرتبہ دھونا ضروری ہے۔

(د) امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب: امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ آپ کی پیش کردہ حدیث منسوخ ہے، کتے کے چاٹے ہوئے برتن کو سات مرتبہ دھونے کا حکم ابتدائے اسلام میں تھا؛ لیکن بعد میں یہ منسوخ ہوگیا تھا، لہٰذا اب تین مرتبہ ہی دھونا ضروری ہے اور اس سے پاک ہوجائے گا۔

(ہ) مصنفؒ ولسانہ سے کیا بتانا چاہتے ہیں؟ ولسانہ سے مصنفؒ نے احناف پر وارد ہونے والے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ ہوسکتا ہے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کہ آپ نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے اس میں لفظ "وُلُوْغ" کی بنیاد پر کتے کے چاٹے ہوئے برتن اور اس میں موجود چیز کو ناپاک قرار دیا ہے؛ حالانکہ وُلُوْغ کے معنیٰ چاٹنے کے آئے ہیں، پس اس صورت میں برتن ناپاک ہونا چاہیے، اس میں موجود چیز کو ناپاک کیوں قرار دیا جاتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ آپ کا اعتراض درست نہیں ہے؛ اس لیے کہ جب کتا برتن میں منھ ڈالتا ہے تو اس کی زبان اوّلاً اس میں موجود چیز سے ہی متصل ہوتی ہے، پس جب اس کے منھ ڈالنے سے برتن ناپاک ہوجاتا ہے تو اس میں موجود چیز پانی وغیرہ جس سے اس کی زبان اوّلاً متصل ہوتی ہے بدرجۂ اولیٰ ناپاک ہوجائے گا۔

سوال ۳۷، ہدایہ اوّل: ص ۴۴/ (سالانہ امتحان ۱۴۳۴ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَسُؤْرُ سِبَاعِ الْبَهَائِمِ نَجِسٌ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ فِيمَا سِوَى الْكَلْبِ وَالْخِنْزِيرِ لِأَنَّ لَحْمَهُمَا نَجِسٌ وَمِنْهُ يَتَوَلَّدُ اللُّعَابُ وَهُوَ الْمُعْتَبَرُ فِي الْبَابِ.

(الف) اعراب لگائیے (ب) ترجمہ کیجیے (ج) درندوں کے جھوٹے کے حکم کے سلسلے میں اختلافِ فقہاء لکھئے۔

جواب: (ب) ترجمہ: اور بہائم درندوں کا جھوٹا ناپاک ہے کتے اور خنزیر کے علاوہ میں امام شافعیؒ نے اختلاف کیا ہے؛ کیونکہ ان درندوں کا گوشت ناپاک ہے اور لعاب اسی سے پیدا ہوتا ہے اور اس باب میں گوشت ہی معتبر ہے۔

(ج) درندوں کے جھوٹے کے سلسلہ میں اختلافِ فقہاء: ہمارے نزدیک درندوں (شیر، چیتا، بھیڑیا، ہاتھی وغیرہ) کا جھوٹا ناپاک ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک پاک ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان حوضوں کے بارے میں دریافت کیا گیا جو مکہ اور مدینہ کے درمیان میں ہیں، آپ سے یہ بھی کہہ دیا گیا کہ کتے اور درندے وہاں پانی پینے کے واسطے آتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لَهَا مَا أَخَذَتْ فِي بُطُونِهَا وَلَنَا مَا بَقِيَ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

شَرَابٌ وَطَهُوْرٌ" یعنی جوانہوں نے اپنے پیٹ میں لے لیا وہ ان کے لیے ہے اور جو باقی رہ گیا وہ ہمارے پینے کے لیے ہے اور پاک ہے۔

اور ایک حدیث میں "أَنَتَوَضَّأُ بِمَا أَفْضَلَتِ الْحُمُرُ فَقَالَ نَعَمْ وَبِمَا أَفْضَلَتِ السِّبَاعُ كُلِّهَا" کیا ہم گدھوں کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرلیا کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! اور درندوں کے بچے ہوئے سے بھی۔ ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ درندوں کا جھوٹا پاک ہے۔

ہماری دلیل یہ حدیث ہے: إِنَّ عُمَرَ وَعَمْرَو بْنَ الْعَاصِ وَرَدَا حَوْضًا فَقَالَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ يَاصَاحِبَ الْحَوْضِ أَتَرِدُ السِّبَاعُ مَاءَ كَ هٰذَا فَقَالَ عُمَرُ يَاصَاحِبَ الْحَوْضِ لَاتُخْبِرْنَا فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ إِذَا أُخْبِرَ بِوُرُوْدِ السِّبَاعِ يَتَعَذَّرُ عَلَيْهِمَا اِسْتِعْمَالُهُ لِمَا نَهَاهُ عَنْ ذٰلِكَ. حضرت عمر اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما دونوں حضرات ایک حوض کے پاس تشریف لے گئے، عمرو بن العاص نے کہا کہ اے مالکِ حوض! کیا تیرے اس پانی پر درندے آتے ہیں (اس کے جواب دینے سے پہلے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے حوض کے مالک! ہم کو خبر نہ دینا؛ کیونکہ اگر درندوں کی آمد کی خبر دی گئی تو ہم دونوں پر اس کا استعمال متعذر ہوجائے گا؛ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا ہے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ درندوں کا جھوٹا ناپاک ہے۔ ہماری طرف سے عقلی دلیل یہ ہے کہ درندوں کا گوشت ناپاک ہے اور لعاب اسی سے پیدا ہوتا ہے اور لعاب کے پاک اور ناپاک ہونے میں گوشت ہی معتبر ہے۔ یعنی اگر گوشت ناپاک ہے تو اس کا لعاب بھی ناپاک ہوگا اور اگر گوشت پاک ہے، تو اس کا لعاب بھی پاک ہوگا۔ حضرت امام شافعیؒ کی پیش کردہ احادیث کا جواب یہ ہے کہ درندوں کے جھوٹے پانی کے پاک ہونے کا حکم، ابتدائے اسلام میں ان کے گوشت کی تحریم سے پہلے تھا، پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ سوال بڑے حوضوں کے بارے میں تھا اور اس کے ہم بھی قائل ہیں کہ بڑا حوض ناپاک نہیں ہوتا ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال ۳۸، ہدایہ اوّل: ص ۴۴/ (داخلہ امتحان ۱۴۲۲ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَسُوْرُ الْهِرَّةِ طَاهِرٌ مَكْرُوْهٌ وَعَنْ أَبِيْ يُوْسُفَ أَنَّهُ غَيْرُ مَكْرُوْهٍ لِأَنَّ النَّبِيَّ -عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ- كَانَ يُصْغِيْ لَهَا الْإِنَاءَ فَتَشْرَبُ مِنْهُ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ مِنْهُ، وَلَهُمَا قَوْلُهُ -عَلَيْهِ السَّلَامُ- اَلْهِرَّةُ سَبُعٌ، وَالْمُرَادُ بَيَانُ الْحُكْمِ دُوْنَ الْخِلْقَةِ وَالصُّوْرَةِ إِلَّا أَنَّهُ سَقَطَتِ النَّجَاسَةُ لِعِلَّةِ الطَّوَافِ فَبَقِيَتِ الْكَرَاهَةُ.

(الف) اعراب لگائیے (ب) ترجمہ کریں (ج) تشریح کریں (د) امام یوسفؒ کی دلیل کا جواب لکھیں (ہ) سورِ ہرہ کی کراہت کی وجہ تحریر کریں۔

جواب: (ب) ترجمہ: اور بلی کا جھوٹا پاک ہے؛ لیکن مکروہ ہے۔ حضرت امام یوسفؒ سے منقول ہے کہ بلی کا جھوٹا مکروہ نہیں ہے؛ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لیے برتن کو ٹیڑھا کرتے تھے، پھر اس سے پیتے تھے، پھر اس سے وضو کرتے تھے، اور طرفین کی دلیل حضورؐ کا قول ہے کہ ''بلی پھاڑ کھانے والے جانوروں میں سے ہے'' اور مراد حکم کا بیان کرنا ہے؛ مگر یہ کہ نجاست ساقط ہوگئی بار بار گھر آنے کی وجہ سے؛ اس لیے کراہت باقی رہی۔

(ج) تشریح: یہاں سے مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ بلی کا جھوٹا پاک ہے؛ لیکن مکروہ ہے، وجہ یہ ہے کہ بلی پھاڑ کھانے والا جانور ہے؛ اس لیے اس کا جھوٹا ناپاک ہونا چاہیے؛ لیکن یہ گھر میں رہتی ہے اور اس سے بچنا مشکل ہے؛ اس لیے شریعت نے آسانی پیدا کرکے اس کے جھوٹے کو مکروہ قرار دیا ہے، یہ مسلک طرفین کا ہے۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلی پھاڑ کھانے والا جانور ہے اور اس سے مراد حکم کا بیان کرنا، یعنی پھاڑ کھانے والے جانور کا گوشت حرام ہے؛ اس لیے اس کا جھوٹا ناپاک ہونا چاہیے؛ لیکن بار بار گھر میں آنے کی وجہ سے اس کا جھوٹا مکروہ قرار دے دیا گیا۔ حدیث میں ہے: ''إِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَجَسٍ إِنَّمَا هِيَ مِنَ الطَّوَّافِيْنَ عَلَيْكُمْ أَوِ الطَّوَّافَاتِ''.

اور امام یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ بلی کا جھوٹا مکروہ نہیں ہے؛ اس لیے کہ حضورِ اکرم

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

صلی اللہ علیہ وسلم بلی کے لیے برتن کو ٹیڑھا کرتے تھے، پھر بلی اس سے پیتی تھی، پھر آپ اس سے وضو کرتے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بلی کے لیے برتن کا ٹیڑھا کرنا اور اس کے پینے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس سے وضو فرمانا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بلی کا جھوٹا پاک ہے۔

(د) امام یوسفؒ کی دلیل کا جواب: امام ابو یوسفؒ نے جو دلیل ذکر کی ہے وہ شروع اسلام کا واقعہ ہے کہ شروع اسلام میں اس کا جھوٹا پاک تھا، بعد میں اس کو مکروہ قرار دے دیا گیا؛ اس لیے امام یوسفؒ کی ذکر کردہ دلیل حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے کی ہے۔

(ہ) سورِ ہرہ کی کراہت کی وجہ: بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس کی کراہت گوشت کی حرمت کی وجہ سے ہے یعنی اس کا گوشت حرام ہے؛ اس لیے اس کا جھوٹا حرام ہے، اور بعض حضرات نے کہا کہ اس کی حرمت اس کے نجاست سے نہ بچنے کی وجہ سے ہے؛ اس لیے اس کا جھوٹا ناپاک ہے۔

سوال ۳۹، ہدایہ اوّل: ص/۴۵ (خودساختہ)

(الف) عبارت باعراب: وَلَوْ أَكَلَتِ الْفَأْرَةَ ثُمَّ شَرِبَتْ عَلٰى فَوْرِهِ الْمَاءَ يَتَنَجَّسُ إِلَّا إِذَا مَكَثَتْ سَاعَةً لِغَسْلِهَا فَمَهَا بِلُعَابِهَا وَالْاِسْتِثْنَاءُ عَلٰى مَذْهَبِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَأَبِيْ يُوْسُفَ وَيَسْقُطُ اِعْتِبَارِ الصَّبِّ لِلضَّرُوْرَةِ.

(الف) اعراب لگایئے (ب) ترجمہ کیجیے (ج) تشریح کیجیے۔

جواب: **(ب) ترجمہ:** اور اگر بلی نے چوہا کھا کر پھر اسی وقت پانی پی لیا، تو پانی ناپاک ہو جائے گا؛ مگر جبکہ تھوڑی دیر ٹھہری رہی؛ اس لیے کہ بلی نے اپنا منہ اپنے لعاب سے دھو ڈالا اور استثناء ابوحنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کے مذہب پر ہے اور ضرورت کی وجہ سے بہانے کا اعتبار ساقط ہو جائے گا۔

(ج) تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ بلی نے چوہا کھا کر بلا توقف برتن میں منہ ڈال کر پانی پی لیا تو یہ پانی ناپاک ہو جائے گا۔ ہاں! اگر تھوڑی دیر توقف کیا پھر پانی پیا تو شیخین کے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

نزدیک پانی ناپاک نہیں ہوگا؛ البتہ امام محمدؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی ناپاک ہوجائے گا۔ شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ ان کے نزدیک بہنے والی پاک چیزوں سے نجاست کا زائل کرنا جائز ہے؛ لہٰذا بلی نے جب چوہا کھا کر توقف کیا تو اس نے اپنی زبان سے ہونٹوں کی نجاست صاف کردی اور اس کو نگل گئی، پھر اس کے بعد برتن میں منہ ڈالا، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام ابویوسفؒ کے نزدیک عضو پاک کرنے کے لیے بہانا شرط ہے اور وہ یہاں پایا نہیں گیا۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ضرورت کی وجہ سے بہانے کا اعتبار ساقط ہوگیا اور امام محمدؒ کے نزدیک چونکہ بغیر پانی کے نجاست زائل نہیں ہوتی؛ اس لیے ایسی بلی کا جھوٹا ہر حال میں ناپاک ہوگا، خواہ اس نے لعاب سے اپنا منہ صاف کیا ہو یا صاف نہ کیا ہو۔

سوال ۴۰، ہدایہ اوّل: ص ۴۵/ (داخلہ امتحان ۱۴۲۸ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَسُؤْرُ الْحِمَارِ وَالْبَغْلِ مَشْكُوْكٌ فِيْهِ قِيْلَ اَلشَّكُّ فِيْ طَهَارَتِهٖ؛ لِأَنَّهٗ لَوْ كَانَ طَاهِرًا لَكَانَ طَهُوْرًا مَالَمْ يَغْلِبِ اللُّعَابُ عَلَى الْمَاءِ وَقِيْلَ الشَّكُّ فِيْ طُهُوْرِيَّتِهٖ؛ لِأَنَّهٗ لَوْ وُجِدَ الْمَاءُ لَايَجِبُ عَلَيْهِ غَسْلُ رَأْسِهٖ وَكَذَا لَبَنُهٗ طَاهِرٌ وَلَايُؤْكَلُ وَعِرْقُهٗ لَايَمْنَعُ جَوَازُ الصَّلٰوةِ وَإِنْ فَحُشَ فَكَذَا سُؤْرُهٗ وَهُوَ الْأَصَحُّ وَيُرْوٰى نَصُّ مُحَمَّدٍ عَلٰى طَهَارَتِهٖ وَسَبَبُ الشَّكِّ تَعَارُضُ الْأَدِلَّةِ فِيْ إِبَاحَتِهٖ وَحُرْمَتِهٖ أَوْ اِخْتِلَافُ الصَّحَابَةِ فِيْ نَجَاسَتِهٖ وَطَهَارَتِهٖ وَعَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ أَنَّهٗ نَجِسٌ تَرْجِيْحًا لِلْحُرْمَةِ وَالنَّجَاسَةِ وَالْبَغْلُ مِنْ نَسْلِ الْحِمَارِ فَيَكُوْنُ بِمَنْزِلَتِهٖ.

(الف) اعراب لگائیے (ب) ترجمہ کیجیے (ج) اس طرح تشریح کیجیے کہ سورِ حمار کے سلسلے میں اختلافِ ائمہ مع الدلیل واضح ہوجائے۔

جواب: (ب) ترجمہ: اور گدھے اور خچر کا جھوٹا مشکوک ہے کہا گیا کہ طہارت میں شک ہے؛ اس لیے کہ اگر پاک ہوتا تو جب تک لعاب پانی پر غالب نہ ہو تو پاک کرنے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

والا بھی ہوتا اور کہا گیا کہ اس کے مطہر ہونے میں شک ہے؛ اس لیے کہ اگر پانی پایا جائے تو اس پر اپنے سر کا دھونا واجب نہیں ہے اور ایسے ہی اس کا دودھ پاک ہے اور اس کا پسینہ جوازِ صلوٰۃ کے لیے مانع نہیں، اگرچہ کثیر ہو، پس ایسے ہی اس کا جھوٹا اور یہی زیادہ صحیح ہے اور روایت کیا گیا کہ امام محمدؒ نے پاک ہونے کی تصریح کی ہے اور شک کا سبب اس کے مباح ہونے اور اس کے حرام ہونے میں دلائل کا متعارض ہونا ہے یا اس کے پاک ہونے اور ناپاک ہونے میں صحابہؓ کا اختلاف ہے اور امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ گدھے کا جھوٹا ناپاک ہے؛ اس لیے کہ حرمت اور نجاست راجح ہے اور خچر بھی گدھے کی نسل سے ہے؛ لہٰذا وہ بھی بمنزلہ گدھے کے ہوگا۔

(ج) تفصیلی طور پر تشریح: عبارت میں پالتوں گدھا مراد ہے اور خچر سے وہ خچر مراد ہے جس کی ماں گدھی ہو؛ چنانچہ اگر اس کی ماں گھوڑی یا گائے ہو تو اس کا جھوٹا پاک ہے۔ (شرح نقایہ)

اب حاصل مسئلہ یہ ہے کہ پالتو گدھا اور خچر جو گدھی کے پیٹ سے پیدا ہوا ان دونوں کا جھوٹا مشکوک ہے، یہ حکم اکثر مشائخ کے نزدیک ہے؛ ورنہ شیخ ابوطاہر دباس نے اس کا انکار کیا اور کہا کہ احکامِ خداوندی میں سے کوئی حکم مشکوک نہیں ہے، پس شیخ ابوطاہر کے نزدیک گدھے کا جھوٹا پاک ہے، اگر اس میں کپڑا ڈوب جائے تو اس کپڑے میں نماز پڑھنا جائز ہے؛ البتہ اس میں احتیاط کی جائے گی؛ چنانچہ فرمایا کہ اگر اس کے علاوہ دوسرا پانی نہ ہو تو وضو اور تیمم دونوں کو جمع کرے۔

حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ یہ طاہر و مطہر دونوں ہے اور دلیل میں کہا کہ جس جانور کی کھال قابلِ انتفاع ہے، اس کا جھوٹا پاک ہے۔ رہی یہ بات کہ اکثر مشائخ کے نزدیک شک اس پانی کی طہارت (پاک ہونے میں) ہے یا مطہر (پاک کرنے والا) ہونے میں، سو اس بارے میں اختلاف ہے۔ بعض مشائخ نے کہا کہ گدھے کے لعاب کی طہارت میں شک ہے یعنی اس کا لعاب پاک ہے یا نہیں؟ دلیل یہ ہے کہ اگر لعاب حمار

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

پاک ہوتا تو جس پانی میں وہ ملتا وہ پانی مطہر رہتا تاوقتیکہ لعاب پانی پر غالب ہوجائے۔ جیسا کہ پانی کے اندر پاک چیزوں کے ملنے کا حکم ہے؛ حالانکہ بغیر غلبہ کے اس سے طہارت حاصل کرنا کافی نہیں ہے، پس معلوم ہوا کہ شک اس کے پاک ہونے میں ہے۔

بعض مشائخ کی رائے: اور بعض حضرات مشائخ کی رائے یہ ہے کہ گدھے کے لعاب کے مطہر اور طہور ہونے میں شک ہے یعنی لعاب حمار خود تو پاک ہے؛ لیکن اس میں شک ہے کہ پاک کرنے والا ہے یا نہیں؟ دلیل یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے پہلے گدھے کے جھوٹے سے سر کا مسح کیا تھا، پھر آبِ مطلق دستیاب ہوگیا تو اس پر اپنا سر دھونا واجب نہیں، اگر گدھے کے جھوٹے کی طہارت میں شک ہوتا تو اس شخص پر سر کا دھونا واجب ہوتا، پس معلوم ہوا کہ گدھے کا جھوٹا بذاتِ خود تو پاک ہے؛ مگر دوسری چیز کو پاک کرسکتا ہے یا نہیں اس میں شک ہے۔

مصنفِ ہدایہ نے کہا کہ گدھی کا دودھ بھی پاک ہے؛ لیکن یہ حکم ظاہر الروایۃ کے مطابق نہیں؛ بلکہ امام محمدؒ سے روایت ہے اور ظاہر الروایۃ میں کہا ہے کہ گدھی کا دودھ ناپاک ہے اور گدھے کے پسینہ میں حضرت امام اعظمؒ سے تین روایات ہیں:

(۱) یہ کہ پاک ہے گدھے کا پسینہ جوازِ صلوٰۃ کے لیے مانع نہیں ہے (۲) یہ کہ نجاستِ خفیفہ ہے (۳) نجاستِ غلیظہ ہے۔

لیکن روایات مشہورہ کے مطابق پاک ہے؛ لہٰذا ایسے ہی اس کا جھوٹا بھی پاک ہوگا؛ کیونکہ پسینہ اور لعاب دونوں گوشت سے پیدا ہوتے ہیں؛ لہٰذا دونوں کا حکم یکساں ہوں گا۔

صاحبِ ہدایہ نے کہا کہ یہی صحیح ہے کہ شک سؤر حمار کی طہوریت میں ہے نہ کہ اس کی طہارت میں، حضرت امام محمدؒ نے بھی سؤرِ حمار کی طہارت پر صراحت فرمائی ہے؛ چنانچہ امام محمدؒ سے مروی ہے کہ چار چیزوں میں اگر کپڑا ڈوب جائے تو ناپاک نہیں ہوگا اور وہ چار چیزیں یہ ہیں:

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(۱) سؤرِ حمار (۲) آبِ مستعمل

(۳) گدھی کا دودھ (۴) ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب۔

صاحبِ ہدایہ نے فرمایا کہ گدھے کے جھوٹے میں شک کے دو سبب ہیں، ایک تو یہ کہ اس کے مباح ہونے اور حرام ہونے میں دلائل مختلف ہیں؛ چنانچہ مروی ہے: "أَنَّ غَالِبَ أَبْجُرٍ سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ لَمْ يَبْقَ لِيْ مَالٌ إِلَّا حُمَيْرَاتٌ فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كُلْ مِنْ سَمِيْنِ مَالِكَ" غالب ابنِ ابجر نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اور کہا کہ میرے پاس گدھوں کے سوا کچھ باقی نہیں رہا، آپ نے فرمایا کہ اپنے مال میں سے جو موٹے تازے ہیں ان کو کھالے۔ یہ حدیث گدھے کے گوشت کی حلت پر دلالت کرتی ہے۔

اور روایت کیا گیا کہ: "أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَرَّمَ لُحُوْمَ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ يَوْمَ خَيْبَرَ" یعنی خیبر کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پالتو گدھوں کے گوشت کو حرام کردیا ہے۔ اس حدیث سے بصراحت ثابت ہوا کہ گدھوں کا گوشت حرام ہے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ گدھے کے جھوٹے کے پاک اور ناپاک ہونے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہے؛ چنانچہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس کا ناپاک ہونا منقول ہے اور ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا پاک ہونا مروی ہے۔

شیخ الاسلام نے فرمایا کہ گدھے کا گوشت بغیر کسی شک کے حرام ہے، اس کا جھوٹا نجس ہے؛ کیونکہ یہاں محرم اور مبیح دونوں جمع ہوگئے اور ایسی صورت میں محرم کو مبیح پر ترجیح دی جاتی ہے جیسے ایک عادل آدمی نے خبر دی کہ یہ گوشت مجوسی کا ذبیحہ ہے اور دوسرے نے کہا کہ مسلمان کا ذبیحہ ہے، تو اس کا کھانا حلال نہیں ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ سے بھی ایک روایت یہ ہے کہ گدھے کا جھوٹا ناپاک ہے؛ کیونکہ حرمت اور نجاست راجح ہے اور خچر چونکہ گدھے کی نسل سے ہے؛ اس لیے خچر کا حکم وہی ہوگا جو گدھے کا ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال ۴۱، ہدایہ اوّل: ص/۴۶ (سالانہ ۱۴۳۱ھ)

(الف) عبارت باعراب: فَإِنْ لَمْ يَجِدْ إِلَّا نَبِيذَ التَّمْرِ قَالَ أَبُوْ حَنِيْفَةَ يَتَوَضَّأُ بِهِ وَلَايَتَيَمَّمُ لِحَدِيْثِ لَيْلَةِ الْجِنِّ فَإِنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ تَوَضَّأَ بِهِ حِيْنَ لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ يَتَيَمَّمُ وَلَايَتَوَضَّأُ بِهِ وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَبِهِ قَالَ الشَّافِعِيُّ عَمَلًا بِآيَةِ التَّيَمُّمِ لِأَنَّهَا أَقْوٰى، أَوْ هُوَ مَنْسُوْخٌ بِهَا لِأَنَّهَا مَدَنِيَّةٌ، وَلَيْلَةُ الْجِنِّ كَانَتْ مَكِّيَّةً.

(الف) عبارت پر اعراب لگائیں (ب) ترجمہ کریں (ج) نبیذ تمر کی کتنی قسمیں ہیں؟ (د) کس قسم کی نبیذ تمر سے وضو کرنا جائز ہے؟ (ہ) نبیذ تمر سے غسل کے متعلق امام اعظمؒ کی کیا رائے ہے؟

جواب: (ب) ترجمہ: پھر اگر وضو کرنے والا نبیذ تمر کے علاوہ کوئی پانی نہ پائے تو حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ وہ اس سے وضو کرے اور تیمّم نہ کرے اور اس کی دلیل لیلۃ الجن کی حدیث ہے، اس رات نبی علیہ السلام نے پانی نہیں پایا تھا، تو آپ نے اسی سے وضو کیا تھا، اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں آدمی کو چاہیے کہ تیمّم کرے اور وضو نہ کرے اور یہی ایک روایت امام صاحبؒ سے ہے اور اسی کے قائل امام شافعیؒ ہیں اور یہ حکم آیتِ تیمّم پر عمل کرنے کی وجہ سے ہے؛ اس لیے آیت زیادہ قوی ہے یا لیلۃ الجن کی حدیث اس آیت سے منسوخ ہے؛ اس لیے کہ یہ آیت مدنی ہے اور لیلۃ الجن مکہ میں ہوئی ہے۔

(ج) نبیذ تمر کی کتنی قسمیں ہیں؟ نبیذ تمر کی تین قسمیں ہیں: (۱) وہ نبیذ جس میں کھجوریں اتنی دیر تک ڈالی گئیں ہوں کہ کھجوروں کی مٹھاس پانی میں منتقل ہوگئی ہو؛ لیکن پانی کی رقت وسیلانیت باقی ہو، نبیذ کی یہی قسم فقہاء کے مابین مختلف فیہ ہے۔ حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک اس سے وضو کرنا جائز ہے اور حضرت امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ کے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

نزدیک جائز نہیں ہے (۲) وہ نبیذ جو کھجوریں ڈالنے کی وجہ سے پانی گاڑھا ہو گیا ہو اور اس کی رقیت وسیلانیت ختم ہو گئی ہو اس سے بالاتفاق وضو کرنا جائز نہیں ہے (۳) وہ نبیذ جس میں نشہ پیدا ہو گیا ہو اس سے بھی بالاتفاق وضو کرنا جائز نہیں ہے۔

(د) کس قسم کی نبیذ تمر سے وضو کرنا جائز ہے؟ کس قسم کی نبیذ تمر سے وضو کرنا جائز ہے یا نہیں اس سلسلے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اگر وضو کرنے والے کو پانی نہ ملے اور اس کے پاس نبیذ موجود ہو تو اس کے لیے اس نبیذ سے وضو کرنا ضروری ہے، تیمّم کرنا جائز نہیں ہے، یہ امام صاحبؒ کا مذہب ہے۔

اور دوسرا مذہب امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ کا ہے، ان کے نزدیک اگر وضو کرنے والے کو پانی نہ ملے تو تیمّم کرنا ضروری ہے، نبیذ تمر سے وضو کرنا جائز نہیں ہے، یہی ایک روایت امام ابو حنیفہؒ سے بھی ہے۔

اور تیسرا مذہب امام محمدؒ کا ہے کہ ان کے نزدیک ایسے وقت میں وضو اور تیمّم دونوں کرنا ضروری ہے۔

امام صاحبؒ کی دلیل لیلۃ الجن کی حدیث ہے کہ آپ علیہ السلام کے پاس اس رات میں وضو کے لیے پانی نہیں تھا تو آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس موجود نبیذ سے وضو فرمایا تھا، پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پانی نہ ملنے کی صورت میں نبیذ سے وضو کرنا ضروری ہے، تیمّم کرنا جائز نہیں ہے؛ اس لیے کہ اگر اس سے وضو کرنا جائز نہ ہوتا تو آپ علیہ السلام بھی اس رات اس سے وضو نہ فرماتے، آپ علیہ السلام کا اس سے وضو فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ اس سے وضو فرمانا جواز کی بیّن دلیل ہے۔

حضرت امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل آیتِ تیمّم ﴿فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا﴾ ہے، وجہِ استدلال یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ رب العزت نے مطلق پانی نہ ملنے کی صورت میں پاک مٹی سے تیمّم کرنے کا حکم دیا ہے اور نبیذ بھی مطلق پانی نہیں ہوتی، لہٰذا اس کے موجود ہوتے ہوئے اگر کسی کو پانی نہ ملے تو اس پر تیمّم

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کرنا ضروری ہوتا ہے، نبیذ سے وضو کرکے نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے، نیز یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اس حالت میں تیمّم اس لیے بھی ضروری ہے کہ آیتِ تیمّم مدینہ میں نازل ہوئی ہے اور لیلۃ الجن کا واقعہ مکہ میں پیش آیا ہے، پس آیتِ تیمّم نبیذِ تمر سے وضو کے جواز کے لیے ناسخ ہے اور ناسخ کے ہوتے ہوئے منسوخ پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔

امام محمدؒ کی دلیل آیتِ تیمّم اور حدیث لیلۃ الجن دونوں ہے، اور چونکہ حدیث لیلۃ الجن میں اضطراب ہے؛ اس لیے آپ نے احتیاط کے پیش نظر آیت اور حدیث دونوں ہی پر عمل کیا ہے اور ایسے شخص کو جس کے پاس نبیذ ہو اور پانی نہ ملے تو انھوں نے نبیذ سے وضو کرنے اور اسی کے ساتھ ساتھ تیمّم کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

(ہ) نبیذِ تمر سے غسل کے متعلق امام اعظمؒ کی کیا رائے ہے؟ (۱) رائے یہ ہے کہ جس طرح نبیذِ تمر سے وضو کرنا جائز ہے اسی طرح غسل بھی جائز ہے۔

(۲) رائے یہ ہے کہ حدیث میں نبیذِ تمر سے صرف وضو کرنا ثابت ہے، لہٰذا اس سے غسل کرنا جائز نہیں ہے اور یہی صحیح ہے۔

سوال ۴۲، ہدایہ اوّل: ص ۴۷ (ششماہی ۱۴۲۷ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَالنَّبِيْذُ الْمُخْتَلَفُ فِيْهِ أَنْ يَّكُوْنَ حُلْوًا رَقِيْقًا يَسِيْلُ عَلَى الْأَعْضَاءِ كَالْمَاءِ وَمَا اشْتَدَّ مِنْهَا صَارَ حَرَامًا لَايَجُوْمُ التَّوَضِّيْ بِهٖ وَإِنْ غَيَّرَتْهُ النَّارُ فَمَا دَامَ حُلْوًا فَهِيَ عَلَى الْخِلَافِ وَإِنِ اشْتَدَّ فَعِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَؒ يَجُوْزُ التَّوَضِّيْ بِهٖ لِأَنَّهٗ يَحِلُّ شُرْبُهٗ عِنْدَهٗ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ لَايَتَوَضَّأُ بِهٖ لِحُرْمَةِ شُرْبِهٖ عِنْدَهٗ وَلَايَجُوْزُ التَّوَضِّيْ بِمَا سِوَاهُ مِنَ الْأَنْبِذَةِ جَزْمًا.

(الف) اعراب لگائیے (ب) ترجمہ کیجیے (ج) نبیذ کی حقیقت کے سلسلے میں عبارت میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف ذکر کیا گیا ہے، اس اس طرح تشریح کریں کہ حقیقت واضح ہوجائے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جواب: (ب) ترجمہ: اور نبیذ جس میں اختلاف ہوا ہے یہ ہے کہ شیریں رقیق ہو جو اعضاء پر پانی کے مثل بہتی ہو اور جو نبیذ ایسی ہو کہ گاڑھی پڑ گئی ہو، تو وہ حرام ہے، اس سے وضو جائز نہیں ہے اور اگر نبیذ کو آگ سے متغیر کیا تو جب تک شیریں ہے تو وہ مختلف فیہ ہے اور اگر گاڑھی پڑ گئی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس سے وضو کرنا جائز ہے؛ کیونکہ ان کے نزدیک اس کا پینا حلال ہے۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس سے وضو نہ کرے؛ کیونکہ ان کے نزدیک اس کا پینا حرام ہے اور نبیذِ تمر کے علاوہ دوسری نبیذوں سے وضو کرنا جائز نہیں ہے مقتضی قیاس پر جاری کرتے ہوئے۔

(ج) **تشریح:** اس عبارت میں نبیذ جس میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف ہے اس کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ امام محمدؒ نے نوادر میں ذکر کیا کہ جس نبیذ سے وضو کے جواز اور عدمِ جواز میں ائمہ ثلاثہؒ کا اختلاف ہے وہ یہ ہے کہ پانی میں کھجوریں ڈال دی جائیں، یہاں تک کہ پانی شیریں اور پتلا ہو کر اعضاء پر پانی کی طرح بہہ جائے، نہ گاڑھا ہو اور نہ نشہ آور۔

اور اگر وہ گھاڑی اور کڑوی ہو گئی تو اس سے بالاجماع وضو کرنا جائز نہیں ہے؛ کیونکہ وہ نشہ آور اور حرام ہے اور اگر اس کو آگ سے پکا لیا گیا تو جب تک وہ شیریں اور رقیق ہے، اعضاء پر پانی کی طرح بہتی ہے، تو وہ بھی امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کے درمیان مختلف فیہ ہے اور اگر پکانے سے گاڑھی ہو گئی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس سے وضو کرنا جائز ہے؛ کیونکہ ان کے نزدیک اس کا پینا حلال ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک چونکہ اس کا پینا حرام ہے؛ اس لیے اس سے وضو کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

صاحبِ ہدایہ نے کہا کہ نبیذ تمر کے علاوہ دوسری نبیذوں سے وضو کرنا جائز نہیں ہے، مثلاً کشمش اور انجیر کی نبیذ۔

دلیل یہ ہے کہ نبیذ تمر سے وضو کرنا خلافِ قیاس حدیث سے ثابت ہے؛ لہٰذا دوسری نبیذیں موجبِ قیاس پر باقی رہیں گی۔ یعنی ان سے وضو کرنا ناجائز ہوگا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

فوائد: امام قدوریؒ نے شرح قدوری میں علمائے احنافؒ سے نقل کیا ہے کہ نبیذ تمر سے وضو کے لیے نیت شرط ہے جیسا کہ تیمّم کے لیے نیت شرط ہے۔ دلیل یہ ہے کہ نبیذ تمر پانی کا بدل ہے، یہی وجہ ہے کہ آبِ مطلق ہوتے ہوئے نبیذ تمر سے وضو کرنا جائز نہیں ہے اور اگر نبیذ سے وضو کیا، پھر آب مطلق دستیاب ہو گیا تو سابقہ وضو باطل ہو جائے گا جیسا کہ پانی میسر آنے کی صورت میں تیمّم باطل ہو جاتا ہے۔

سوال ۴۳، ہدایہ اوّل: ص/۴۸ (خود ساختہ)

(الف) عبارت باعراب: وَلَوْ خَافَ الْجُنُبُ إِنِ اغْتَسَلَ أَنْ يَقْتُلَهُ الْبَرْدُ أَوْ يُمْرِضَهُ يَتَيَمَّمُ بِالصَّعِيْدِ وَهٰذَا إِذَا كَانَ خَارِجَ الْمِصْرِ لِمَا بَيَّنَّا وَلَوْ كَانَ فِي الْمِصْرِ فَكَذٰلِكَ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ خِلَافًا لَّهُمَا يَقُوْلَانِ إِنَّ تَحَقُّقَ هٰذِهِ الْحَالَةِ نَادِرٌ فِي الْمِصْرِ فَلَا يُعْتَبَرُ وَلَهُ أَنَّ الْعِجْزَ ثَابِتٌ حَقِيْقَةً فَلَا بُدَّ مِنْ اِعْتِبَارِهِ.

(الف) اعراب لگائیے (ب) ترجمہ کیجیے (ج) جنبی کے لیے تیمّم کا کیا حکم ہے؟ اختلاف مع الدلیل لکھئے۔

جواب: (ب) ترجمہ: اور اگر جنبی کو یہ خوف ہو کہ اگر غسل کیا تو ٹھنڈک اس کو مار ڈالے گی یا اس کو بیمار بنا دے گی تو یہ پاک مٹی سے تیمّم کرے اور یہ (حکم) اس وقت ہے کہ وہ شہر سے باہر ہو۔ بیان کردہ دلیل کی وجہ سے اور اگر شہر میں ہو تو بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہی حکم ہے۔ صاحبینؒ کا اختلاف ہے۔ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ شہر میں اس حالت کا متحقق ہونا نادر ہے؛ لہٰذا اس کا اعتبار نہیں ہوگا اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ عجز حقیقتاً ثابت ہے؛ لہٰذا اس کا اعتبار ضروری ہے۔

(ج) جنبی کے لیے تیمّم کا کیا حکم ہے؟ مسئلہ یہ ہے کہ جنبی آدمی کو اگر یہ خوف ہو کہ غسل کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو جائے گا یا بیمار پڑ جائے گا تو اس کے واسطے تیمّم کرنا جائز ہے۔ صاحبِ ہدایہ نے کہا کہ اگر یہ واقعہ شہر کے باہر پیش آیا تو بالاتفاق تیمّم کی اجازت ہے، دلیل سابق میں گزر چکی کہ شہر میں واپس جانے میں حرج لاحق ہوگا اور اگر جنبی کو شہر میں رہتے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہوئے یہ خوف لاحق ہوتو بھی حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک یہی حکم ہے یعنی اس کے واسطے تیمّم جائز ہے اور صاحبینؒ کہتے ہیں کہ شہر میں اگر یہ خوف لاحق ہوتو تیمّم جائز نہیں ہے۔

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ شہر میں ایسی حالت کا متحقق ہونا نادر ہے؛ لہٰذا اس کا اعتبار نہ ہوگا۔ یعنی شہر میں گرم پانی اور سردی سے حفاظت ممکن ہے؛ اس لیے ہلاک ہونے یا مرض لاحق ہونے کا اعتبار غیر معتبر ہے؛ چنانچہ اگر شہر میں تیمّم کی اجازت دے دی جائے تو عوام تھوڑی سی سردی میں اس کو حیلہ کرلیں گے۔

اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ ایسے خائف جنبی کے حق میں غسل کرنے سے عاجزی درحقیقت ثابت ہے؛ اس لیے اس کا اعتبار کرنا ضروری ہے۔

سوال ۴۴، ہدایہ اوّل: ص/۴۹ (خودساختہ)

(الف) عبارت باعراب: وَالْحَدَثُ وَالْجَنَابَةُ فِيهِ سَوَاءٌ وَكَذَا الْحَيْضُ وَالنِّفَاسُ لِمَا رُوِيَ أَنَّ قَوْمًا جَاءُوا إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالُوا إِنَّا قَوْمٌ نَسْكُنُ هٰذِهِ الرِّمَالَ وَلَا نَجِدُ الْمَاءَ شَهْرًا أَوْ شَهْرَيْنِ وَفِينَا الْجُنُبُ وَالْحَائِضُ وَالنُّفَسَاءُ فَقَالَ عَلَيْكُمْ بِأَرْضِكُمْ.

(الف) اعراب لگائیے (ب) ترجمہ کیجیے (ج) عبارت کی تفصیلی طور پر تشریح کریں۔

جواب: (ب) ترجمہ: تیمّم میں حدث اور جنابت برابر ہیں اور یہی حکم حیض ونفاس کا ہے؛ کیونکہ روایت کیا گیا کہ ایک قوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا کہ ہم ایسی قوم ہیں کہ اس ریگستان میں رہتے ہیں اور ایک یا دو ماہ تک پانی نہیں پاتے ہیں؛ حالانکہ ہم میں جنب، حیض اور نفاس والی عورتیں بھی ہوتی ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم پر اپنی زمین لازم ہے۔

(ج) تشریح: امام قدوریؒ نے کہا کہ جواز تیمّم، کیفیت تیمّم اور آلۂ تیمّم میں حدث (بے وضو) ہونا اور جنب دونوں برابر ہیں یعنی جس طرح حدثِ اصغر میں تیمّم مشروع ہے اسی طرح حدثِ اکبر میں بھی مشروع ہے اور جو کیفیت حدثِ اصغر کے تیمّم کی ہے وہی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کیفیت حدثِ اکبر کے تیمّم کی ہے اور یہی حکم حائضہ اور نفاس والی عورت کا ہے۔

اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ تیمّم فقط حدثِ اصغر کے لیے مشروع کیا گیا ہے۔ جنبی، حائضہ اور نفاس والی عورت کے لیے تیمّم مشروع نہیں ہے، یہی حضرت عمرؓ، ابنِ مسعودؓ اور ابنِ عمرؓ سے مروی ہے۔ منشاءِ اختلاف آیتِ تیمّم ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا﴾ میں ﴿اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ﴾ یعنی ملامستِ نساء سے کیا مراد ہے؟ قولِ اوّل کے قائلین کہتے ہیں کہ اس سے مراد جماع ہے اور دوسرے قول والے کہتے ہیں کہ اس سے مراد مس بالید ہے۔ قولِ ثانی کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محدث کے لیے تیمّم مشروع کیا ہے؛ اس لیے جنبی کے لیے مباح نہیں ہوگا اور جنبی کو محدث پر قیاس بھی نہیں کیا جاسکتا؛ کیونکہ محدث کے لیے تیمّم کی مشروعیت خلافِ قیاس ہے اور جنبی کو محدث کے ساتھ لاحق بھی نہیں کیا جاسکتا ہے؛ اس لیے کہ جنبی کا حدث، محدث کے حدث سے بہت بڑھ کر ہے؛ حالانکہ الحاق کے لیے برابری شرط ہے۔

اور قولِ اوّل والوں کی دلیل یہ ہے کہ آیت میں ملامست سے مجازاً جماع کے معنیٰ مراد ہیں اور قرینہ آیت کا سیاق ہے، اس کی تقریر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آیتِ وضو میں حدث اور جنابت دونوں کا حکم بیان کیا ہے۔ ارشاد ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ یہاں تک حدثِ اصغر کا حکم مذکور ہے، پھر فرمایا: ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ فَاطَّهَّرُوْا﴾ اس جملہ میں جنابت یعنی حدثِ اکبر کا بیان ہے۔ پھر پانی نہ ہونے کی صورت میں حکم مٹی کی طرف منتقل کیا گیا ہے اور ﴿اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ﴾ میں حدثِ اصغر کا ذکر ہے، پس مناسب یہ ہے کہ لٰمَسْتُمْ کو حدثِ اکبر (جنابت) پر محمول کیا جائے؛ تاکہ آیتِ وضو کی طرح آیتِ تیمّم میں بھی دو طہارتیں اور دو حدث مذکور ہو جائیں اور تاکہ تکرار لازم نہ آئے؛ اس لیے کہ باری تعالیٰ کے قول ﴿اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ﴾ میں تیمّم کے حق میں

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

حدثِ اصغر مذکور ہے، پس اگر لَامَسْتُمُ کو بھی اسی معنیٰ پر محمول کیا گیا تو خواہ مخواہ آیت میں تکرار ہوگا اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف محدث کے لیے تیمّم مشروع کیا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جنبی کے لیے بھی مشروع کیا ہے۔

چنانچہ مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ لوگ حاضر ہوکر کہنے لگے کہ ہم اس ریگستان میں رہتے ہیں اور ایک دو ماہ تک پانی میسر نہیں ہوتا؛ حالانکہ ہم میں جنبی بھی ہوتے ہیں اور حیض ونفاس والی عورتیں بھی، یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علیکم بالأرض تم پر تمہاری زمین لازم ہے یعنی تم مٹی سے تیمّم کرلیا کرو۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حدثِ اکبر کے لیے بھی تیمّم مشروع ہے۔

سوال ۴۵، ہدایہ اوّل: ص/۵۰ (سالانہ ۱۴۳۰ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَيَجُوْزُ التَّيَمُّمُ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ بِكُلِّ مَا كَانَ مِنْ جِنْسِ الْأَرْضِ كَالتُّرَابِ وَالرَّمْلِ وَالْحَجَرِ وَالْجِصِّ وَالنُّوْرَةِ وَالْكُحْلِ وَالزِّرْنِيْجِ وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ لَايَجُوْزُ إِلَّا بِالتُّرَابِ وَالرَّمْلِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَايَجُوْزُ إِلَّا بِالتُّرَابِ الْمُنْبِتِ وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) بتائیں کہ تیمّم کن چیزوں سے کیا جاتا ہے؟ (ج) مذہبِ دوم اور سوم کی دلیل کا جواب دیں (د) تیمّم کے صحیح ہونے کی شرائط بیان کریں۔

جواب: ترجمہ: اور حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک تیمّم جائز ہے ہر ایسی چیز سے جو زمین کی جنس سے ہو جیسے مٹی اور روایت اور پتھر، اور گچ اور چونہ، سرمہ اور ہڑتال وغیرہ، اور حضرت امام یوسفؒ فرماتے ہیں کہ تیمّم صرف مٹی اور ریت سے جائز ہے اور حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ صرف اُگانے والی مٹی سے تیمّم کرنا جائز ہے اور یہی ایک روایت حضرت امام یوسف رحمہ اللہ کی بھی ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ب) تیمّم کن چیزوں سے کیا جاتا ہے؟ اس عبارت میں مصنفؒ اسی کو بتلا رہے ہیں۔ اس مسئلے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو زمین کی جنس سے ہو اس سے تیمّم کرنا جائز ہے، جیسے مٹی، ریت، پتھر، گچ، چونہ، سرمہ اور ہڑتال وغیرہ، یہ امام صاحبؒ اور امام محمدؒ کا مسلک ہے۔

دوسرا مذہب امام یوسفؒ کا ہے کہ ان کے نزدیک صرف مٹی سے اور ریت سے تیمّم کرنا جائز ہے۔

اور تیسرا مذہب امام شافعیؒ کا ہے کہ ان کے نزدیک صرف اُگانے والی مٹی سے تیمّم کرنا جائز ہے اور امام یوسفؒ سے ایک روایت یہی ہے۔

امام صاحبؒ اور امام محمدؒ کی دلیل باری تعالیٰ کا قول ﴿فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا﴾ ہے، وجہِ استدلال یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے اس آیتِ کریمہ میں صعید طیب سے تیمّم کرنے کا حکم دیا ہے اور صعید زمین کے بالائی حصہ کو کہتے ہیں، پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر وہ چیز جو زمین کے بالائی حصہ سے ہو یعنی زمین کی جنس سے ہو اس سے تیمّم کرنا جائز ہے۔

مذہبِ دوم کی دلیل اور مذہبِ سوم کی دلیل بھی یہی آیت ہے۔ وجہِ استدلال یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ رب العزت نے صعید طیّب سے تیمّم کرنے کا حکم دیا ہے اور صعید کے معنیٰ مٹی کے اور طیّب کے معنیٰ اُگانے کے آتے ہیں، پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف اُگانے والی مٹی سے تیمّم کرنا جائز ہے، اس کے علاوہ کسی اور چیز سے جائز نہیں ہے؛ البتہ امام یوسفؒ نے اس آیت میں ریت کا اضافہ کیا ہے؛ کیوں کہ بہت سی اشیاء ریت میں بھی اُگ جاتی ہے۔

(ج) مذہبِ دوم اور سوم کی دلیل کا جواب دیں: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ جناب آیتِ کریمہ ﴿فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا﴾ میں مذکور لفظ طیّب کے معنیٰ صرف اُگانے کے ہی نہیں آتے؛ بل کہ اس کے ایک معنیٰ پاک ہونے کے بھی آتے ہیں اور یہی معنیٰ یہاں مراد ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ پانی نہ ملنے کی صورت میں پاک مٹی سے تیمّم کرلیا جائے اور

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جو چیزیں زمین کی جنس سے ہوتی ہے وہ بھی چوں کہ مٹی ہی کی جنس سے ہوتی ہے؛ اس لیے ان سے بھی تیمّم کرنا جائز ہے، تیمّم کو صرف صعید منبت کے ساتھ خاص کرنا صحیح نہیں ہے۔

(د) **تیمّم کے صحیح ہونے کی شرائط:** تیمّم کے صحیح ہونے کے لیے آٹھ شرائط ہیں: (۱) نیت کرنا (۲) ایسے عذر کا ہونا جو تیمّم کے جواز کو ثابت کرے (۳) ایسی چیز سے تیمّم جو زمین کی جنس سے ہوتی ہے (۴) تیمّم میں مسح کرتے ہوئے پورے عضو پر مسح کرنا (۵) تمام ہاتھ یا اکثر ہاتھ سے مسح کرنا (۶) تیمّم میں ہتھیلی کے اندرونی حصے سے دو ضربوں کا زمین پر لگانا (۷) مانع تیمّم کسی چیز کا نہ ہونا (۸) اعضاء کے اوپر مانع مسح کسی چیز مثلاً تیل وغیرہ کا لگا ہوا نہ ہونا، لہٰذا ان آٹھوں شرائط میں سے اگر کوئی شرط مفقود ہو تو تیمّم جائز نہیں ہے۔

سوال ۴۶، ہدایہ اوّل: ص ۵۰/ (ششماہی ۱۴۳۰ھ)

(الف) **عبارت باعراب:** فَإِنْ تَيَمَّمَ نَصْرَانِيٌّ يُرِيْدُ بِهِ الْإِسْلَامَ ثُمَّ أَسْلَمَ لَمْ يَكُنْ مُتَيَمِّمًا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ، وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ: هُوَ مُتَيَمِّمٌ، لِأَنَّهُ نَوٰى قُرْبَةً مَقْصُوْدَةً بِخِلَافِ التَّيَمُّمِ لِدُخُوْلِ الْمَسْجِدِ وَمَسِّ الْمُصْحَفِ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِقُرْبَةٍ مَقْصُوْدَةٍ.

(الف) اعراب لگائیں (ب) ترجمہ کریں (ج) تشریح کرتے ہوئے بتائیں کہ "بخلاف التیمم" سے مصنفؒ کیا کہنا چاہتے ہیں، نیز ائمہ کے اختلافات کو بدلل کریں۔

جواب: (ب) ترجمہ: پھر اگر نصرانی نے اسلام لانے کے ارادہ سے تیمّم کیا پھر اسلام لایا تو امام ابوحنیفہ اور امام محمدؒ کے نزدیک وہ تیمّم کرنے والا نہیں ہے اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ وہ تیمّم کرنے والا ہے؛ اس لیے کہ اس نے قربتِ مقصودہ کی نیت کی، برخلاف مسجد میں داخل ہونے کے لیے اور قرآن چھونے کے لیے؛ اس لیے کہ اس نے قربتِ مقصودہ کی نیت نہیں کی۔

(ج) **تشریح:** یہاں سے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اگر غیر مسلم آدمی نے اسلام لانے کے ارادے سے تیمّم کیا، پھر اسلام لانے کے بعد اس تیمّم سے نماز پڑھنا چاہتا ہے تو اب کیا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اس کا تیمّم صحیح ہے اور وہ اس تیمّم سے نماز پڑھ سکتا ہے؟ تو امام ابوحنیفہؒ اور محمدؒ فرماتے ہیں کہ نہیں پڑھ سکتا، اسے از سرِ نو نماز پڑھنے کے لیے تیمّم کرنا ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ تراب (مٹی) سے مراد تیمّم ہے، اس تیمّم سے وہ نماز درست ہوگی جو عبادتِ مقصودہ کے لیے ہی کیا گیا ہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ ایسی عبادت مقصودہ ہو کہ وہ بغیر وضو کے درست نہ ہو۔ اور اسلام لانا عبادتِ مقصودہ تو ہے؛ لیکن بغیر وضو کے بھی، لہٰذا اس تیمّم سے نماز نہیں پڑھ سکتا، اور امام یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اسلام لانا قربتِ مقصودہ ہے؛ بلکہ اہم مقصد ہے؛ اس لیے چاہے نصرانی اور کافر ہی اسلام لانے کے لیے تیمّم کرے تو اس تیمّم سے نماز پڑھ سکتا ہے؛ اس لیے کہ نماز بھی عبادتِ مقصودہ ہے اور اسلام بھی عبادتِ مقصودہ ہے؛ البتہ اگر مسجد میں داخل ہونے کے لیے تیمّم کیا تو اس تیمّم سے نماز نہیں پڑھ سکتا؛ اس لیے کہ مسجد میں داخل ہونا اصل مقصد نہیں ہے؛ بلکہ اس میں داخل ہو کر نماز پڑھنا مقصد ہے۔ اسی طرح قرآن کے چھونے کے لیے تیمّم کیا تو اس تیمّم سے نماز نہیں پڑھ سکتا؛ کیونکہ قرآن چھونا اصل مقصد نہیں ہے؛ بلکہ اس کو چھو کر اس کو پڑھنا مقصد ہے اور پہلے گزر چکا ہے کہ عبادتِ مقصودہ کے لیے تیمّم کیا ہو، تب ہی اس سے نماز پڑھ سکتا ہے، یہی مطلب ہے "بخلاف التیمم" کا۔

سوال ۴۷، ہدایہ اوّل: ص ۵۰/ (ششماہی ۱۴۳۳ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَالنِّيَّةُ فَرْضٌ فِي التَّيَمُّمِ وَقَالَ زُفَرُ لَيْسَتْ بِفَرْضٍ لِأَنَّهُ خَلَفٌ عَنِ الْوُضُوْءِ فَلَايُخَالِفُهُ فِي وَصْفِهِ، وَلَنَا أَنَّهُ يُنْبِئُ عَنِ الْقَصْدِ فَلَايَتَحَقَّقُ دُوْنَهُ أَوْ جَعَلَ طَهُوْرًا فِي حَالَةٍ مَخْصُوْصَةٍ، وَالْمَاءُ طَهُوْرٌ بِنَفْسِهِ عَلٰى مَا مَرَّ.

(الف) عبارت پر اعراب لگائیں (ب) ترجمہ کریں (ج) عبارت کی تشریح کریں (د) في وصفه کی مراد واضح کریں۔

جواب: (ب) ترجمہ: اور تیمّم میں نیت کرنا فرض ہے اور حضرت امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ فرض نہیں ہے؛ اس لیے کہ تیمّم وضو کا خلیفہ ہے، لہٰذا یہ کسی صفت میں وضو کا مخالف نہیں

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہوگا، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ تیمّم قصد کی خبر دیتا ہے، پس بغیر قصد کے تیمّم متحقق نہیں ہوگا، یا (اس میں نیت اس لیے فرض ہے کہ) مٹی کو مخصوص حالت میں طہور قرار دیا گیا ہے اور پانی بنفسہٖ طہور ہے جیسا کہ گزرا۔

(ج) عبارت کی تشریح: اس عبارت میں صاحبِ ہدایہ فرمانا چاہتے ہیں کہ تیمّم میں نیت کے فرض ہونے اور نہ ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہے؛ چناں چہ امام اعظمؒ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ تیمّم میں نیت فرض ہے بغیر نیت کے تیمّم جائز نہیں۔

اور امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ تیمّم میں نیت کرنا فرض نہیں ہے بغیر نیت کے تیمّم ہوجائے گا۔ احنافؒ میں سے امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کی دلیل، عقلی دلیل ہے، وہ یہ کہ تیمّم کے لغوی معنیٰ قصد وارادہ کے آتے ہیں اور قصد نیت کو کہتے ہیں اور یہ بات سب جانتے ہیں کہ اسمائے شرعیہ میں لغوی معنیٰ کا اعتبار کیا جاتا ہے، پس اسی لیے ہم نے تیمّم کے لغوی معنیٰ کا اعتبار کرتے ہوئے اس میں نیت کو فرض قرار دیا ہے، نیز دوسری دلیل یہ ہے کہ تیمّم مٹی سے کیا جاتا ہے اور مٹی بذاتِ خود طاہر تو ہے؛ لیکن مطہر نہیں ہے؛ بل کہ اس کو مخصوص حالت میں (پانی نہ ملنے کی حالت میں) مطہر کیا جاتا ہے؛ اس لیے تیمّم میں نیت کرنا فرض ہے، اس کے برخلاف پانی بذاتِ خود مطہر ہے اور طاہر ہے، اسی وجہ سے وضو کرتے ہوئے نیت کرنا فرض نہیں ہے۔

امام زفرؒ کی دلیل بھی عقلی دلیل ہے، وہ یہ کہ تیمّم وضو کا خلیفہ ہے اور وضو میں نیت کرنا فرض نہیں ہے، لہٰذا تیمّم بھی کسی صفت میں وضو کے مخالف نہیں ہوگا اور اس میں نیت کرنا فرض نہیں ہوگا، بصورتِ دیگر اصل اور خلیفہ میں مخالفت لازم آئے گی؛ حالاں کہ اصل اور خلیفہ میں کسی طرح کی بھی مخالفت نہیں ہوتی ہے۔

(د) في وصفه کی مراد: في وصفه سے مراد اوصافِ وضو ہیں اور مطلب یہ ہے کہ تیمّم وضو کا خلیفہ ہونے کی وجہ سے وضو کے کسی وصف کے مخالف نہیں ہوگا۔

اور "طہور" اس بات کو کہتے ہیں جو بذاتِ خود طاہر ہو اور دوسرے کو پاک کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، جیسے کہ ماءِ مطلق ہوتا ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال ۴۸، ہدایہ اوّل: ص ۵۲ (خودساختہ)

(الف) عبارت باعراب: وَيُصَلِّي بِتَيَمُّمِهِ مَاشَاءَ مِنَ الْفَرَائِضِ وَالنَّوَافِلِ وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ يَتَيَمَّمُ لِكُلِّ فَرْضٍ لِأَنَّهُ طَهَارَةٌ ضَرُوْرِيَّةٌ وَلَنَا أَنَّهُ طَهُوْرٌ حَالَ عَدَمِ الْمَاءِ فَيَعْمَلُ عَمَلَهُ مَابَقِيَ شَرْطُهُ.

(الف) اعراب لگائیے (ب) ترجمہ کیجیے (ج) عبارت کی تشریح کریں۔

جواب: (ب) ترجمہ: اور اپنے تیمّم سے جو نماز چاہے پڑھے (خواہ) فرض ہو خواہ نفل۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ہر فرض نماز کے لیے تیمّم کرے؛ کیونکہ تیمّم طہارتِ ضروری ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ مٹی طہور ہے درانحالیکہ پانی نہ ہو تو وہ اپنا کام کرتی رہے گی جب تک اس کی شرط باقی رہے۔

(ج) تشریح: مسئلہ ہمارے نزدیک تیمّم سے متعدد نمازیں ادا کرسکتا ہے خواہ وہ نمازیں فرض ہوں یا نفل ہوں ایک وقت میں ادا کرے یا متعدد اوقات میں، تاوقتیکہ ناقض تیمّم نہ پایا جائے اور امام شافعیؒ کے نزدیک ایک تیمّم سے ایک فرض نماز ادا کرسکتا ہے اور دوسرا فرض ادا کرنے کے لیے دوبارہ تیمّم کرنا ضروری ہوگا؛ البتہ ایک تیمّم سے نوافل متعددہ ادا کیے جاسکتے ہیں۔

حضرت امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ تیمّم طہارتِ ضرورتیہ ہے؛ کیونکہ مٹی فی نفسہٖ ملوث ہے نہ کہ مطہر؛ لیکن تیمّم کے ساتھ ضرورت کی وجہ سے نماز مباح کی گئی ہے، پس جب ایک فرض ادا کیا تو ضرورت پوری ہوگئی اور اب یہ ضرورت اس وقت لوٹے گی جبکہ دوسرا وقت آجائے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ مٹی کا بشرطِ عدمِ ماء طہور ہونا نص سے ثابت ہے؛ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "اَلتُّرَابُ طَهُوْرُ الْمُسْلِمِ اور فرمایا: جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُوْرًا اور جو چیز کسی شرط کے ساتھ طہور ہو تو وہ اپنا عمل کرتی رہے گی جب تک کہ شرط باقی ہے، پس جب تک عدمِ وجدانِ ماء کی شرط پائی جائے گی مٹی طہور رہے گی۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال ۴۹، ہدایہ اوّل: ص ۵۲/ (داخلہ امتحان ۱۴۳۵ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَيَسْتَحِبُّ لِعَادِمِ الْمَاءِ وَهُوَ يَرْجُوهُ أَنْ يُؤَخِّرَ الصَّلَاةَ إِلَىٰ آخِرِ الْوَقْتِ فَإِنْ وَجَدَ الْمَاءَ يَتَوَضَّأُ وَإِلَّا يَتَيَمَّمُ وَصَلَّى لِيَقَعَ الْأَدَاءُ بِأَكْمَلِ الطَّهَارَتَيْنِ فَصَارَ كَالطَّامِعِ فِي الْجَمَاعَةِ وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ فِي غَيْرِ رِوَايَةِ الْأُصُولِ أَنَّ التَّأْخِيرَ حَتْمٌ لِأَنَّ غَالِبَ الرَّأْيِ كَالْمُتَحَقَّقِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگائیں (ب) ترجمہ کریں (ج) بأكمل الطهارتين کی مراد لکھیں (د) مطلب لکھیں۔

جواب: (ب) ترجمہ: اور پانی نہ پانے والے کے لیے جب کہ اُسے پانی نہ ملنے کی اُمید ہو آخر وقت تک نماز کو مؤخر کرنا مستحب ہے، بس اگر پانی پالے تو وضو کرے؛ ورنہ تیمّم کر کے نماز پڑھ لے؛ تاکہ دونوں طہارتوں میں سے اکمل سے نماز کی ادائیگی ہو اور ایسا شخص جماعت کے لالچ میں انتظار کرنے والے شخص کی طرح ہے اور شیخین سے اُصول کے علاوہ کی کتابوں میں روایت ہے کہ مؤخر کرنا لازم ہے؛ کیوں کہ غالب رائے امر متحقق کی طرح ہے۔

(ج): بأكمل الطهارتين: وهو الوضوءُ، اس سے وضو مراد ہے۔

كالطامعِ في الجماعة: أي كالشخص الّذي يُؤخِّرُ الصَّلاة إلى آخرِ الوقتِ طمعا في كثرة الجماعةِ، غير رواية الأصول، وهي رواية النوادِرِ والأمالي والرقيات، والكيسانياتِ، والهارونياتِ.

(د) مطلب: یہ ہے کہ اگر پانی موجود نہ ہو اور یہ اُمید ہو کہ نماز کے آخر وقت تک پانی دستیاب ہو جائے گا تو اس صورت میں نماز کو آخر وقت تک مؤخر کرنا مستحب ہے؛ تاکہ اکمل الطہارتین (یعنی وضو سے نماز کی ادائیگی ہو) اور یہ ایسا ہے جیسا کہ جماعت کی طمع کرنے والا انتظار کرتا ہے؛ لیکن اگر پانی نہ ملنے کی امید ہو تو خواہ مخواہ نماز مؤخر نہ کرے؛ بل کہ تیمّم کر کے نماز پڑھ لے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اس سلسلے میں حضرات شیخین سے اُصول کے علاوہ نوادر وغیرہ میں یہ منقول ہے کہ اگر مذکورہ شخص کو پانی ملنے کی توقع ہے تو اس کے لیے نماز کو مؤخر کرنا لازم اور ضروری ہے؛ کیوں کہ یہاں اس شخص کو پانی ملنے کی امید ہے، اور غائب رائے کو متحقق شدہ امر کا درجہ دیا گیا ہے، لہٰذا جس طرح موجودِ آب کی صورت میں تیمّم جائز نہیں، اسی طرح غالب گمان ہو تو بھی تیمّم نہ کرے؛ بل کہ نماز کو آخر وقت تک مؤخر کردے، اگر وقت کے اندر اندر پانی مل گیا تو فبہا؛ ورنہ تو تیمّم کر کے نماز ادا کرے۔

اور ظاہر الروایہ کی دلیل یہ ہے کہ پانی چوں کہ موجود نہیں ہے؛ اس لیے حقیقتاً عجز ثابت ہے اور اس عجز کا حکم جوازِ تیمّم ہے اور اس عجز کا حکم یعنی جواز تیمّم اس وقت زائل ہوگا جب کہ پانی نہ ملنے کا یقین ہو؛ کیوں کہ ضابطہ ہے: "ماثبت بیقینٍ لایرتفع إلا بیقینٍ مثلہ" اور چونکہ پانی موجود ہونے کا یقین پایا نہیں گیا؛ اس لیے نماز کو مؤخر کرنا بھی واجب نہیں ہوگا۔

سوال ۵۰، ہدایہ اوّل: ص ۵۳/ (ششماہی ۱۴۳۹ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَإِنْ اَحْدَثَ الْإِمَامُ أَوِ الْمُقْتَدِيُّ فِي صَلٰوةِ الْعِيْدِ تَيَمَّمَ وَبَنٰى عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَؒ وَقَالَا لَايَتَيَمَّمُ لِأَنَّ اللَّاحِقَ يُصَلِّي بَعْدَ فَرَاغِ الْإِمَامِ فَلَايَخَافُ الْفَوْتَ وَلَهُ أَنَّ الْخَوْفَ بَاقٍ لِأَنَّهُ يَوْمُ زَحْمَةٍ فَيَعْتَرِيْهِ عَارِضٌ يُفْسِدُ عَلَيْهِ صَلَاتَهُ وَالْخِلَافُ فِيْمَا إِذَا شَرَعَ بِالْوُضُوْءِ وَلَوْ شَرَعَ بِالتَّيَمُّمِ تَيَمَّمَ وَبَنٰى بِالْإِتِّفَاقِ لِأَنَّا لَوْ أَوْجَبْنَا الْوُضُوْءَ يَكُوْنُ وَاجِدًا لِلْمَاءِ فِيْ صَلٰوتِهٖ فَيُفْسِدُ.

(الف) اعراب لگائیے (ب) ترجمہ کیجیے (ج) عبارت کی تشریح کریں۔

جواب: (ب) ترجمہ: اور اگر نمازِ عید میں امام کو یا مقتدی کو حدث ہو گیا تو وہ تیمّم کر کے بنا کرے، یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے اور صاحبینؒ نے کہا کہ تیمّم نہیں کرے گا؛ اس لیے کہ لاحق امام کے فارغ ہونے کے بعد بھی نماز پوری کرسکتا ہے؛ لہٰذا فوت ہونے کا خوف نہ رہا۔ امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ خوف باقی ہے؛ اس لیے کہ یہ دن اژدحام کا ہے، شاید کوئی امر ایسا عارض ہو کہ اس کی نماز فاسد ہو جائے اور اختلاف اس صورت میں

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہے جبکہ اس نے نماز وضو کے ساتھ شروع کی ہو اور اگر تیمّم کے ساتھ شروع کی تھی تو تیمّم کر کے بناء کرے (اور یہ حکم) اتفاقی ہے؛ کیونکہ اگر ہم نے وضو واجب کیا تو وہ نماز میں پانی پانے والا ہوگا، پس نماز فاسد ہو جائے گی۔

(ج) تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ عید کی نماز میں اگر امام یا مقتدی کو حدث ہو گیا اور اس نے نماز وضو کے ساتھ شروع کی ہے تو ایسی صورت میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تیمّم کر کے بناء کرے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ تیمّم نہیں کرے گا؛ بلکہ وضو کر کے اپنی نماز پوری کرے۔

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ شخص لاحق ہے اور لاحق اپنی نماز امام کے فارغ ہونے کے بعد بھی پوری کر سکتا ہے؛ لہٰذا اس کے حق میں نماز فوت ہونے کا احتمال باقی نہیں رہا اور جس شخص کو نماز لاالیٰ بدل فوت ہونے کا خوف نہ ہو اس کو پانی کے موجود رہتے ہوئے تیمّم کی اجازت نہیں ہے۔

اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ فوت ہونے کا خوف اب بھی باقی ہے؛ کیونکہ عید کا دن اژدحام کا دن ہے؛ اس لیے ہو سکتا ہے کہ کوئی مفسدِ صلوٰۃ عارض پیش آجائے مثلاً کوئی شخص اس کو سلام کرے اور یہ جواب دے دے یا کوئی اس کو مبارک باد پیش کرے اور یہ اس کو قبول کر لے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور عید کی نماز کی قضاء بھی نہیں ہے؛ کیونکہ عید کی نماز جماعت کے ساتھ شروع کی گئی ہے؛ لہٰذا فوت ہونے کا خوف باقی رہا۔

صاحبِ ہدایہ نے فرمایا کہ امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کے درمیان یہ اختلاف اس وقت ہے جبکہ نماز وضو کے ساتھ شروع کی گئی ہو اور اگر تیمّم کے ساتھ شروع کی تھی تو اب بالاتفاق تیمّم کر کے بنا کرے؛ کیونکہ اگر ہم اس پر وضو واجب کرتے ہیں تو اس نے نماز میں پانی پایا، پس نماز ہی فاسد ہو جائے گی۔

سوال ۵۱، ہدایہ اوّل: ص/۵۶ (خودساختہ)

(الف) عبارت باعراب: وَلَا يَجُوزُ الْمَسْحُ عَلٰى خُفٍّ فِيْهِ خِرْقٌ كَثِيْرٌ يَتَبَيَّنُ مِنْهُ قَدْرُ ثَلَاثِ أَصَابِعَ مِنْ أَصَابِعِ الرِّجْلِ وَإِنْ كَانَ أَقَلَّ مِنْ ذَالِكَ جَازَ،

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

وَلَايَجُوْزُ الْمَسْحُ لِمَنْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْغُسْلُ لِحَدِيْثِ صَفْوَانِ بْنِ عَسَّالٍ أَنَّهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ يَأْمُرُنَا إِذَا كُنَّا سَفْرًا أَنْ لَانَنْزِعَ خِفَافَنَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهَا لَاعَنْ جَنَابَةٍ وَلٰكِنْ عَنْ بَوْلٍ أَوْ غَائِطٍ أَوْ نَوْمٍ.

(الف) عبارت پر اعراب لگائیں (ب) ترجمہ کریں (ج) عبارت کی تشریح کرتے ہوئے دونوں مسئلوں کی بہتر طریقے پر وضاحت کریں۔

جواب: (ب) ترجمہ: اور ایسے موزے پر مسح کرنا جائز نہیں ہے جس میں بہت زیادہ پھٹن ہو کہ اس سے پاؤں کی انگلیوں میں سے تین انگلیوں کے بقدر ظاہر ہوتا ہو اور اگر اس سے کم ہو تو جائز ہے، اور اس شخص کے لیے مسح (علی الخفین) جائز نہیں ہے جس پر غسل واجب ہو، حضرت صفوان بن عسالؓ کی حدیث کی وجہ سے وہ فرماتے ہیں کہ جب ہم سفر میں ہوتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں یہ حکم دیتے تھے کہ ہم تین دن تین رات تک اپنے موزوں کو نہ اتاریں؛ مگر جنابت کی وجہ سے؛ لیکن پیشاب یا پاخانہ یا نیند کی وجہ سے (نہ اتارے)۔

(ج): امام شافعیؒ اور امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ پھٹے ہوئے موزے پر مطلقاً مسح کرنا جائز نہیں ہے خواہ شگاف قلیل ہو یا کثیر، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ شگاف کی وجہ سے پاؤں کا جو حصہ ظاہر ہو گیا، اس کا دھونا واجب ہے، اور چوں کہ مسح اور غسل دونوں کا ایک عضو میں جمع کرنا جائز نہیں ہے؛ اس لیے موزہ نکال کر باقی کا دھونا بھی واجب ہوگا۔

(د): **دونوں مسئلوں کی وضاحت:** پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر خفین میں سے کسی خف میں شگاف اور پھٹن ہو تو ہمارے یہاں یہ دیکھا جائے گا کہ وہ شگاف قلیل ہے یا کثیر، اگر شگاف قلیل ہے تو اس موزے پر مسح کرنا ہمارے یہاں جائز ہے؛ لیکن اگر شگاف زیادہ ہے اور پیر کی تین چھوٹی انگلیاں کھل جاتی ہیں تو اس صورت میں ہمارے یہاں اس موزے پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ مسح علی الخفین کے جواز کا مقصد لوگوں سے حرج کو دور کرنا ہے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اور عام طور پر موزوں میں تھوڑی بہت پھٹن رہتی ہی ہے، پس اگر معمولی شگاف کی وجہ سے موزے نکالنے کا حکم دیدیا جائے تو لوگ حرج میں مبتلا ہوجائیں گے؛ اس لیے ہم نے خرقِ قلیل کو معاف کردیا اور چوں کہ خرقِ کثیر سے موزے بالعموم خالی ہوتے ہیں، پس خرق کثیر کی صورت میں کوئی حرج نہیں، اس وجہ سے اس کو معاف نہیں کیا گیا ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جس شخص پر غسل واجب ہو اس کے واسطے موزوں پر مسح کرنا جائز نہیں ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے وضو کرکے موزے پہنے، پھر جنبی ہوگیا، پھر اس کو اتنا پانی مل گیا جو وضوء کے لیے کافی ہے؛ مگر غسل کے لیے کافی نہیں ہے، تو یہ شخص جنابت کے لیے تیمّم کرے اور اس پانی سے وضوء کرے اور پاؤں دھوئے مسح کرنا جائز نہیں ہوگا۔ دلیل حضرت صفوان بن عسالؓ کی حدیث ہے جس میں واضح طور پر یہ صراحت ہے کہ دورانِ سفر جنابت پیش آنے کی صورت میں تو موزہ اُتار دیا جائے گا؛ لیکن اگر حدث لاحق ہو، مثلاً پیشاب یا پاخانہ یا نیند تو اس صورت میں تین دن اور تین رات سے پہلے موزہ نہیں اتارا جائے گا۔

سوال ۵۲، ہدایہ اوّل: ص ۵۷ (خودساختہ)

(الف) عبارت باعراب: وَلَا يَجُوْزُ الْمَسْحُ لِمَنْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْغُسْلُ لِحَدِيْثِ صَفْوَانِ بْنِ عَسَّالٍؓ أَنَّهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُنَا إِذَا كُنَّا سَفْرًا أَنْ لَّا نَنْزِعَ خِفَافَنَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَّلَيَالِيْهَا لَاعَنْ جَنَابَةٍ وَلٰكِنْ عَنْ بَوْلٍ أَوْ غَائِطٍ أَوْ نَوْمٍ وَلِأَنَّ الْجَنَابَةَ لَاتَتَكَرَّرُ عَادَةً فَلَاحَرَجَ فِي النَّزْعِ بِخِلَافِ الْحَدَثِ لِأَنَّهُ يَتَكَرَّرُ.

(الف) اعراب لگائیے (ب) ترجمہ کیجیے (ج) صورتِ مسئلہ کو تفصیلی طور پر واضح کیجیے۔

جواب: (ب) ترجمہ: اور مسح کرنا جائز نہیں اس شخص کو جس پر غسل واجب ہوا صفوان بن عسال کی حدیث کی وجہ سے۔ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کو حکم فرمایا کرتے جب ہم مسافر ہوتے کہ ہم اپنے موزوں کو نہ اُتاریں تین دن اور تین راتیں؛

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

مگر جنابت سے؛ لیکن پیشاب پاخانہ یا نیند سے؛ کیونکہ جنابت عادۃً مکرر نہیں ہوتی؛ لہٰذا موزہ نکالنے میں کوئی حرج نہیں ہوگا برخلاف حدث کے کہ وہ مکرر ہوتا ہے۔

(ج) **صورتِ مسئلہ کی تشریح:** مسئلہ یہ ہے کہ جس شخص پر غسل واجب ہو اس کے واسطے موزوں پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے وضو کر کے موزے پہنے، پھر جنبی ہوگیا، پھر اس کو اتنا پانی میسر آیا جو وضو کے لیے کافی ہے؛ مگر غسل کے لیے کافی نہیں تو یہ شخص جنابت کے لیے تیمّم کرے اور اس پانی سے وضو کرے اور پاؤں دھوئے، مسح کرنا جائز نہیں ہے۔ دلیل حضرت صفوان بن عسالؓ کی حدیث ہے، جس میں مذکور ہے کہ جنابت کی حالت میں دونوں موزے نکال کر پیروں کو دھونا ضروری ہے؛ البتہ اگر پیشاب یا پاخانہ یا نیند کی وجہ سے وضو ٹوٹ گیا تو موزے نکالنے کی ضرورت نہیں ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ جنابت عادۃً مکرر نہیں ہوتی اور حدثِ اصغر مکرر ہوتا ہے؛ لہٰذا جنابت کی صورت میں موزہ اُتارنے میں حرج لاحق نہیں ہوگا اور حدث کی صورت میں بار بار موزہ اُتارنے میں حرج لاحق ہوگا اور یہ بات امر مسلم ہے کہ مسح علی الخفین حرج دُور کرنے کے لیے مشروع کیا گیا ہے، پس جہاں موزہ نکالنے میں حرج ہے وہاں مسح علی الخفین جائز ہے اور جس صورت میں حرج نہیں وہاں موزے اُتار کر پیروں کا دھونا فرض ہے مسح جائز نہیں ہے۔

سوال ۵۳، ہدایہ اوّل: ص/۵۹ (ششماہی ۱۴۳۴ھ)

(الف) **عبارت باعراب:** وَلَا يَجُوْزُ الْمَسْحُ عَلَى الْجَوْرَبَيْنِ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ إِلَّا أَنْ يَكُوْنَا مُجَلَّدَيْنِ أَوْ مُنَعَّلَيْنِ وَقَالَا يَجُوْزُ إِذَا كَانَا ثَخِيْنَيْنِ لَا يَشِفَّانِ لِمَا رُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَسَحَ عَلَى جَوْرَبَيْهِ، وَلِأَنَّهُ يُمْكِنُهُ الْمَشْيُ فِيْهِ إِذَا كَانَ ثَخِيْنًا وَهُوَ أَنْ يَسْتَمْسِكَ عَلَى السَّاقِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُرْبَطَ بِشَيْءٍ فَأَشْبَهَ الْخُفَّ، وَلَهُ أَنَّهُ لَيْسَ فِيْ مَعْنَى الْخُفِّ لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُ مُوَاظَبَةُ الْمَشْيِ فِيْهِ إِلَّا إِذَا كَانَ مُنَعَّلًا وَهُوَ مَحْمَلُ الْحَدِيْثِ.

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(الف) عبارت پر اعراب لگائیں (ب) ترجمہ کریں (ج) جواب کی تفصیل لکھیں (د) جوربین کے سلسلے میں اختلاف مع الدلیل لکھیں۔

جواب: (ب) ترجمہ: اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جوربین پر مسح کرنا جائز نہیں ہے؛ مگر یہ کہ وہ مجلد ہوں یا منعل ہوں اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اگر جوربین موٹے ہوں اور پانی ان میں سے چھنتا نہ ہو تو ان پر مسح کرنا جائز ہے اور اس کی دلیل وہ روایت ہے جس میں روایت کیا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے جوربین پر مسح کیا ہے، نیز اس لیے بھی (ان پر مسح کرنا جائز ہے) کہ یہ اگر موٹے ہوں تو ان کو پہن کر چلنا ممکن ہوتا ہے، اور ثخینین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز سے باندھے بغیر پنڈلی پر ٹھہر جائیں، پس (اس صورت میں) یہ خفین کے مشابہ ہوں گے اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ جورب خفین کے معنی میں نہیں ہے، اس کو پہن کر مسلسل چلنا ممکن نہیں ہے؛ مگر جب کہ منعل ہو تو اُسے پہن کر چلنا ممکن ہے اور یہی حدیث شریف کا محمل ہے۔

(ج): جواب کی تفصیل: جورب سوت یا اون کے موزوں کو کہتے ہیں، ایسے موزوں پر اگر اوپر نیچے دونوں جانب چمڑا لگا ہوا ہو تو اس کو مجلد اور اگر صرف نیچے کی جانب لگا ہوا ہو تو اس کو منعل کہتے ہیں، اور ثخینین ہر اُس موزے کو کہتے ہیں جو پنڈلی پر بغیر باندھے رک جاتا ہے۔

(د): جوربین کے سلسلے میں اختلاف مع الدلیل: جوربین اگر مجلد یا منعل ہیں تو ان پر بالاتفاق مسح کرنا جائز ہے اور اگر مجلد یا منعل نہیں ہیں؛ لیکن ثخینین ہیں تو ان پر مسح کے جواز اور عدمِ جواز میں فقہاء کے مابین اختلاف ہے؛ چناں چہ امام صاحبؒ کا قول مشہور یہ ہے کہ جوربین ثخینین پر مسح کرنا جائز نہیں ہے اور امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور صاحبینؒ کا مسلک یہ ہے کہ جوربین ثخینین پر تین شرائط کے ساتھ مسح کرنا جائز ہے (۱) اگر ان پر پانی ڈالا جائے تو پیر تک نہ پہنچے (۲) پیر پر بغیر باندھے خود بخود رُک جائیں (۳) اُنہیں پہن کر لگاتار چند میل تک چلنا ممکن ہو، پس اگر جوربین ثخینین میں یہ تین شرائط موجود ہو تو ان پر مسح کرنا جائز ہے؛ ورنہ جائز نہیں ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

مذہبِ اوّل کی دلیل، انہوں نے عقلی دلیل سے استدلال کیا ہے، دلیل یہ ہے کہ جورب علی کل الوجہ خفین کے معنیٰ میں نہیں ہے اور نہ اس کو پہن کر مسلسل چند میل تک چلنا ممکن ہے، پس بایں وجہ ان پر مسح کرنا درست نہیں ہے اور رہا مجلد یا منعل جوربین تو چوں کہ انہیں پہن کر مسلسل چلنا ممکن ہے؛ اس لیے ان پر مسح کرنا جائز ہے۔

مذہبِ دوم کی دلیل حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث ہے، حضرت ابوموسیٰؓ روایت کرتے ہیں: "أن النبي عليه السلام مسح على الجوربين" کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے جوربین پر مسح فرمایا ہے، اس روایت سے ان حضرات نے اپنے مسلک کو اس طور پر ثابت کیا ہے کہ اس میں مطلق جوربین پر حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے مسح کرنا ثابت ہے اور یہ بات یقینی ہے کہ حضور علیہ السلام نے رقیق جوربین پر مسح نہیں کیا؛ بل کہ یا تو مجلد و منعل پر کیا ہے یا پھر ثخینین پر کیا ہے، پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جوربین جب مجلد یا منعل ہوں یا ثخینین ہوں تو ان پر مسح کرنا جائز ہے۔

نوٹ: صاحبِ ہدایہ، صاحبِ بدائع الصنائع نے نقل کیا ہے کہ حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ نے اپنی آخری زندگی میں اس مسئلہ کے اندر ائمہ ثلاثہ اور صاحبینؒ کی جانب رجوع کرلیا تھا؛ اس لیے اب بالاتفاق جوربین ثخینین پر مسح کرنا جائز ہے اور ان کے خلاف کرنا بالکل جائز نہیں ہے؛ کیونکہ اب یہ اتفاقی مسئلہ ہوگیا ہے؛ اس لیے اب جوربین ثخینین پر مسح کرنا چاہیے۔

سوال ۵۴، ہدایہ اوّل: ص/۶۰ (خودساختہ)

(الف) عبارت باعراب: وَيَجُوزُ الْمَسْحُ عَلَى الْجَبَائِرِ وَإِنْ شَدَّهَا عَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَعَلَ ذٰلِكَ وَأَمَرَ عَلِيًّا بِهِ وَلِأَنَّ الْحَرَجَ فِيهِ فَوْقَ الْحَرَجِ فِي نَزْعِ الْخُفِّ فَكَانَ أَوْلٰى بِشَرْعِ الْمَسْحِ وَيَكْتَفِي بِالْمَسْحِ عَلَى أَكْثَرِهَا ذَكَرَهُ الْحَسَنُ وَلَا يَتَوَقَّفُ لِعَدَمِ التَّوْقِيفِ بِالتَّوْقِيتِ وَإِنْ سَقَطَتِ الْجَبِيرَةُ عَنْ غَيْرِ بُرْءٍ لَا يَبْطُلُ الْمَسْحُ لِأَنَّ الْعُذْرَ قَائِمٌ وَالْمَسْحُ عَلَيْهَا كَالْغَسْلِ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

لِمَا تَحْتَهَا مَادَامَ الْعُذْرُ بَاقِيًا وَإِنْ سَقَطَتْ عَنْ بُرْءٍ بَطَلَ لِزَوَالِ الْعُذْرِ وَإِنْ كَانَ فِي الصَّلٰوةِ اِسْتَقْبَلَ لِأَنَّهُ قَدَرَ عَلَى الْأَصْلِ قَبْلَ حُصُوْلِ الْمَقْصُوْدِ بِالْبَدَلِ.

(الف) اعراب لگائیے (ب) ترجمہ کیجیے (ج) عبارت کی تشریح کریں۔

جواب: (ب) ترجمہ: اور مسح جائز ہے جبائر پر اگر چہ اس کو بغیر وضو باندھا ہو؛ اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کا حکم دیا اور اس لیے کہ جبیرہ اُتارنے میں جو حرج ہے، وہ موزہ اُتارنے کے حرج سے بڑھ کر ہے، پس جبیرہ مشروعیت مسح کا زیادہ مستحق ہے اور مسح کے ساتھ اکثر جبیرہ پر اکتفاء کرے اس کو حسن نے ذکر کیا ہے اور مسح علی الجبائر کسی وقت کے ساتھ موقت نہیں ہے؛ اس لیے کہ توقیت کے ساتھ توقیف نہیں اور اگر جبیرہ بغیر اچھا ہوئے گر پڑا تو مسح باطل نہ ہوگا؛ کیونکہ عذر موجود ہے اور جب تک عذر باقی ہے اس پر مسح کرنا ایسا ہے جیسا کہ اس کے نیچے کا دھونا اور اگر اچھا ہونے سے گر پڑا تو مسح باطل ہوگیا؛ اس لیے کہ عذر زائل ہو چکا اور اگر نماز میں گرا ہو تو نماز کو از سر نو پڑھے؛ کیونکہ بدل کے ساتھ مقصود پورا ہو جانے سے پہلے وہ اصل پر قادر ہو گیا۔

(ج) **تشریح:** جبائر، جبیرۃ کی جمع ہے اور جبیرہ اس لکڑی کو کہتے ہیں جو ٹوٹی ہوئی ہڈی پر باندھی جائے۔ قاضی خان نے کہا کہ جبائر پر مسح کرنے کی اجازت اس وقت ہے جبکہ زخم پر مسح کرنا تکلیف دہ ہو اور اگر زخم پر مسح تکلیف نہ دے تو جبائر پر مسح نہ کرے۔ حاصل یہ کہ جبائر پر مسح کرنا مشروع ہے، اگر چہ ان کو بغیر وضو کے باندھا ہو۔

دلیل یہ ہے کہ جبیرہ باندھا جاتا ہے، ضرورت کے وقت اور اس حالت میں طہارت کی شرط لگانا مفضی الی الحرج ہوگا؛ اس لیے طہارت کی شرط نہیں لگائی گئی اور اس بارے میں اصل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی جبیرہ پر مسح کیا اور احد کے دن جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کا گٹا ٹوٹ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جبیرہ پر مسح کرنے کا حکم دیا تھا۔ صاحبِ عنایہ نے پورا واقعہ اس طرح لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا تھامے ہوئے تھے، پس

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا گٹا ٹوٹ گیا اور ہاتھ سے جھنڈا گر گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جھنڈا بائیں ہاتھ میں لے لو؛ کیونکہ علی (رضی اللہ عنہ) دنیا وآخرت میں میرے جھنڈے کا مالک ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: "ما أصنع بالجبائر" جبائر کے ساتھ کیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِمْسَحْ عَلَيْهَا جبائر پر مسح کرو۔ اس حدیث میں اس کی کوئی تفصیل نہیں کہ جبیرہ طہارت پر باندھا گیا ہے یا بغیر طہارت کے، پس معلوم ہوا کہ مطلق جبیرہ پر مسح کرنا مشروع ہے، خواہ طہارت پر باندھا ہو خواہ بغیر طہارت کے باندھا ہو۔

دلیلِ عقلی یہ ہے کہ موزہ اُتارنے میں جس قدر حرج ہوتا ہے جبیرہ کھولنے اور باندھنے میں اس سے کہیں زائد حرج ہے، پس جب حرج دُور کرنے کے لیے موزوں پر مسح مشروع کیا گیا تو جبیرہ پر بدرجہ اولیٰ مسح مشروع ہوگا۔

رہا اس کا حکم کہ اگر بعض جبائر پر مسح کیا اور بعض پر نہیں تو یہ کافی ہوگا یا نہیں، تو اس بارے میں ظاہر الروایۃ میں کچھ مذکور نہیں؛ البتہ حسن بن زیاد کے امالی میں ہے کہ اگر اکثر جبائر پر مسح کیا تو کافی ہوگا اور اگر نصف یا اس سے کم پر کیا تو کافی نہیں ہوگا۔ فرمایا کہ مَسَحَ عَلَى الْجَبِيْرَةِ کے واسطے کوئی وقت مقدر نہیں ہے کہ زخم کے اچھا ہونے تک اس پر مسح کرنا جائز ہے؛ کیونکہ مسح علی الجبیرہ کی تحدید وقت میں کوئی حدیث وارد نہیں ہوئی ہے۔ اس عبارت سے مسح علی الجبیرہ اور مسح علی الخف کے درمیان فرق کی طرف بھی اشارہ ہو گیا؛ کیونکہ مسح علی الخف میں وقت مقدر ہے اور مسح علی الجبیرہ میں وقت مقدر نہیں ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ مسح علی الجبیرۃ بغیر طہارت کے بھی جائز ہے؛ مگر مسح علی الخف بغیر طہارت کے جائز نہیں ہے۔

تیسرا فرق یہ ہے کہ جبیرہ اگر بغیر زخم اچھا ہوئے گر گیا تو مسح باطل نہیں ہوگا برخلاف موزہ کے کہ اگر وہ نکل گیا تو مسح باطل ہو جائے گا۔ دلیل یہ ہے کہ عذر موجود ہے اور جب تک عذر باقی ہے تو جبیرہ پر مسح کرنا ایسا ہے جیسے اس کے نیچے کا دھونا، حتیٰ کہ اگر ایک پاؤں

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

پر جبیرہ ہو اور اس پر مسح کیا ہو تو دوسرے پاؤں پر موزہ پہن کر اس پر مسح کرنا جائز نہیں ہے؛ تاکہ حکماً غسل اور مسح کے درمیان جمع کرنا لازم نہ آئے اور اگر جبیرہ گر گیا زخم اچھا ہونے کی وجہ سے تو مسح علی الجبیرہ باطل ہو جائے گا؛ کیونکہ جس عذر کی وجہ سے مسح علی الجبیرہ مشروع تھا، وہ عذر زائل ہو گیا۔

اور اگر جبیرہ نماز کے درمیان گر گیا درانحالیکہ زخم اچھا ہو گیا ہے تو نماز نئے سرے سے پڑھے گا؛ کیونکہ یہ شخص بدل کے ساتھ مقصود حاصل کرنے سے پہلے اصل پر قادر ہو گیا۔ جیسے متیمم اگر درمیان نماز پانی پر قادر ہو جائے تو وضو کر کے از سر نو نماز پڑھے، واللہ اعلم بالصواب۔

سوال ۵۵، ہدایہ اوّل: ص/۶۱ (ششماہی ۱۴۳۲ھ)

(الف) عبارت باعراب: اَقَلُّ الْحَيْضِ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا وَمَانَقَصَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُوَ اِسْتِحَاضَةٌ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اَقَلُّ الْحَيْضِ لِلْجَارِيَةِ الْبِكْرِ وَالثَّيِّبِ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا وَاَكْثَرُهُ عَشَرَةُ أَيَّامٍ وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ فِي التَّقْدِيرِ بِيَوْمٍ وَلَيْلَةٍ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يَوْمَانِ وَالْأَكْثَرُ مِنَ الْيَوْمِ الثَّالِثِ إِقَامَةً لِلْأَكْثَرِ مَقَامَ الْكُلِّ قُلْنَا هٰذَا نَقْصٌ عَنْ تَقْدِيرِ الشَّرْعِ.

(الف) اعراب لگائیے (ب) ترجمہ کیجیے (ج) حیض کی اقلِ مدت اور اکثرِ مدت کا اختلاف لکھئے۔

الجواب: (ب) ترجمہ: حیض کی ادنیٰ مدت تین دن اور راتیں ہیں اور جو اس سے کم ہو وہ استحاضہ ہے؛ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جاریہ باکرہ اور ثیبہ کے حیض کی کم از کم مدت تین دن اور تین راتیں ہیں اور ان کی اکثر مدت دس دن ہے۔ اور یہ امام شافعیؒ کے خلاف حجت ہے، ایک دن اور ایک رات کے ساتھ اندازہ لگانے میں اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ دو دن اور تیسرے دن کا اکثر (کیونکہ) اکثر کل کے قائم مقام ہوتا ہے، ہم نے کہا کہ یہ تقدیرِ شرع سے کم کرنا ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ج) حیض کی مدت میں اختلاف: ہمارے نزدیک اقل مدتِ حیض تین دن اور ان کی راتیں ہیں اور جو خون اس مدت سے کم ہوگا وہ استحاضہ ہے۔ امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ دو دن پورے اور تیسرے دن کا اکثر حصہ اقل مدتِ حیض ہے۔

امام مالکؒ نے فرمایا کہ مطلق خون حیض ہے خواہ ایک ساعت ہو اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ایک دن ایک رات اقل مدت حیض ہے۔ ہماری دلیل وہ حدیث ہے جس کو ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ، عائشہ رضی اللہ عنہا، عاتکہ رضی اللہ عنہا، انس رضی اللہ عنہ اور ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کیا: "أَنَّهُ قَالَ أَقَلُّ الْحَيْضِ لِلْجَارِيَةِ الْبِكْرِ وَالثَّيِّبِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا وَأَكْثَرُهُ عَشَرَةَ أَيَّامٍ". یہی مدت حضرت عمر، علی، ابنِ مسعود، ابنِ عباس، عثمان، ابن ابی العاص اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور ان حضرات سے مروی ایسا ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہو؛ کیونکہ مقادیر کو پہچاننے میں قیاس کو کوئی دخل نہیں ہوتا؛ لہٰذا ان حضرات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ہی فرمایا ہوگا۔

اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ: "لَا حَيْضَ دُوْنَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ وَلَا حَيْضَ فَوْقَ عَشَرَةِ أَيَّامٍ". امام ابو یوسفؒ نے لِلأکثر حکم الکل کے قاعدے سے استدلال کیا ہے۔

امام مالکؒ نے کہا کہ حیض ایک حدث ہے؛ لہٰذا یہ بھی دوسرے احداث کی طرح کسی چیز کے ساتھ مقدر نہیں ہوگا۔

حضرت امام شافعیؒ نے کہا کہ سیلانِ دم نے جب دن رات کی تمام ساعتوں کو گھیر لیا، تو معلوم ہوا کہ یہ خون رحم سے ہے، پس دمِ حیض معلوم کرنے کے لیے مزید وقت کی ضرورت نہیں رہی۔ ابوحنیفہؒ کی طرف سے ان تمام دلائل کا جواب یہ ہے کہ شریعت نے اقلِ مدتِ حیض تین دن مقرر کی ہے، پس ان حضرات کے نزدیک اگر اس سے کم مدت پر اکتفاء کیا جائے تو اقلِ مدت تین دن نہیں رہے گی اور ظاہر ہے کہ یہ تقدیر شرع میں سے کم کرنا ہے؛ حالانکہ تقدیرِ شرع سے کم کرنا جائز نہیں ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال ۵۶، ہدایہ اوّل: ص/۶۳ (خودساختہ)

(الف) عبارت باعراب: وَلَوْ كَانَ انْقَطَعَ الدَّمُ دُوْنَ عَادَتِهَا فَوْقَ الثَّلَاثِ لَمْ يَقْرَبْهَا حَتّٰى تَمْضِيَ عَادَتُهَا وَإِنْ اغْتَسَلَتْ؛ لِأَنَّ الْعَوْدَ فِي الْعَادَةِ غَالِبٌ فَكَانَ الْاِحْتِيَاطُ فِي الْاِجْتِنَابِ وَإِنْ انْقَطَعَ الدَّمُ لِعَشَرَةِ أَيَّامٍ حَلَّ وَطْؤُهَا قَبْلَ الْغُسْلِ؛ لِأَنَّ الْحَيْضَ لَامَزِيْدَ لَهُ عَلَى الْعَشَرَةِ إِلَّا أَنَّهُ لَايُسْتَحَبُّ قَبْلَ الْاِغْتِسَالِ لِلنَّهْيِ فِي الْقِرَاءَةِ بِالتَّشْدِيْدِ.

(الف) اعراب لگائیں (ب) ترجمہ کریں (ج) تشریح کریں۔

جواب: **(ب) ترجمہ:** اور اگر خون منقطع ہوگیا عادت سے پہلے؛ لیکن تین دن سے زیادہ میں تو اس سے وطی نہیں کی جائے گی، یہاں تک کہ اس کی عادت گزر جائے، گرچہ وہ غسل کر چکی ہو؛ اس لیے کہ عادت میں لوٹنا غالب ہے؛ اس لیے احتیاط پرہیز کرنے میں ہے اور اگر حائضہ کا خون دس دن پورے ہونے پر منقطع ہو تو اس عورت سے غسل سے پہلے بھی وطی کرنا جائز ہے؛ اس لیے کہ حیض دس دن سے زیادہ نہیں ہوتا؛ مگر یہ کہ غسل کرنے سے پہلے وطی اچھی نہیں ہے تشدید کی قراءت میں روکنے کی وجہ سے۔

(ج) تشریح: مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر خون منقطع ہوگیا عادت سے پہلے، مثلاً ایک عورت کی عادت پانچ دن تھی اور چار دن پر خون رُک گیا یعنی تین دن گزرنے کے بعد رکا؛ لیکن عادت جو پانچ دن تھی اس سے پہلے رک گیا، تو چاہے اس عورت نے غسل کرلیا ہو، پھر بھی شوہر وطی نہیں کرے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ عادت پوری ہونے میں ابھی ایک دن باقی ہے؛ اس لیے غالب گمان یہ ہے کہ خون دوبارہ آجائے؛ اس لیے چاہے عورت غسل کر چکی ہو، پھر بھی شوہر کے لیے صحبت کرنا جائز نہیں۔

وإن انقطع: یہاں سے مصنف علیہ الرحمہ دوسرا مسئلہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اگر حائضہ کا خون دس دن پورے ہونے پر رُک گیا تو اس عورت سے بھی غسل سے پہلے وطی کرنا جائز ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

وجہ یہ ہے کہ دس دن سے زیادہ تو حیض آ ہی نہیں سکتا، اس کے بعد جو خون آئے گا وہ استحاضہ کا ہوگا؛ اس لیے عورت نے غسل نہیں کیا ہے، تب بھی اس سے وطی کرسکتا ہے؛ البتہ بہتر یہ ہے کہ غسل کے بعد وطی کرے؛ تاکہ مکمل پاکی پر ہو اور تاکہ ﴿حَتّٰی یَطَّهَّرْنَ﴾ (بالتشدید) والی قراءت پر عمل ہوسکے؛ کیونکہ اس قراءت پر مطلب ہوگا کہ خوب خوب پاک ہو، تب وطی کرے اور خوب پاک دس دن کے بعد غسل کے ساتھ ہوگی۔

سوال ۵۷، ہدایہ اوّل: ص ۶۴/ (ششماہی ۱۴۳۷ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَلَوْ زَادَ الدَّمُ عَلٰی عَشَرَةِ أَيَّامٍ وَلَهَا عَادَةٌ مَعْرُوْفَةٌ رُدَّتْ إِلٰی أَيَّامِ عَادَتِهَا وَالَّذِيْ زَادَ اِسْتِحَاضَةٌ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اَلْمُسْتَحَاضَةُ تَدَعُ الصَّلٰوةَ أَيَّامَ أَقْرَائِهَا وَلِأَنَّ الزَّائِدَ عَلَى الْعَادَةِ يُجَانِسُ مَازَادَ عَلَى الْعَشَرَةِ فَيُلْحَقُ بِهٖ. وَإِنِ ابْتَدَأَتْ مَعَ الْبُلُوْغِ مُسْتَحَاضَةٌ فَحَيْضُهَا عَشَرَةُ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَالْبَاقِيْ اِسْتِحَاضَةٌ لِأَنَّا عَرَفْنَاهُ حَيْضًا فَلَايَخْرُجُ عَنْهُ بِالشَّكِّ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

(الف) اعراب لگائیے (ب) ترجمہ کیجیے (ج) معتادہ کو کیا ایامِ عادت کی طرف لوٹایا جائے گا جب خون دس یوم سے تجاوز کر جائے یا نہیں؟ اس سلسلے میں مختلف فیہ اور متفق فیہ مسئلہ کو لکھئے۔

جواب: (ب) ترجمہ: اور اگر خون دس دن پر بڑھ گیا؛ حالانکہ عورت کی ایک عادت پہچانی ہوئی دس سے کم پر تھی تو وہ اپنے عادت کے ایام پر لوٹائی جائے گی اور جو زمانہ عادتِ معروفہ سے بڑھا وہ استحاضہ ہے؛ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مستحاضہ نماز چھوڑ دے اپنے ایامِ حیض میں اور اس لیے کہ جو عادت پر زائد ہے وہ اس کے ہم جنس ہے جو دس پر زائد ہے، پس اسی کے ساتھ ملحق ہوگا اور اگر مستحاضہ ہو کر بالغہ ہوئی تو اس کا حیض ہر ماہ میں سے دس روز ہوگا اور باقی استحاضہ؛ کیونکہ ہم نے اس کو حیض پہچانا، پس دس میں سے شک کے ساتھ نہ نکالا جائے گا، واللہ اعلم۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ج) تشریح: علمائے احنافؒ کے نزدیک جو حکم متفق علیہ تھا صاحبِ ہدایہؒ نے اس کو بیان فرمایا ہے اور حکم مختلف فیہ کا ذکر نہیں کیا، سو پہلے مختلف فیہ حکم ملاحظہ ہو۔

مختلف فیہ مسئلہ: مسئلہ یہ ہے کہ خون اگر عادتِ معروہ سے زائد آیا؛ لیکن دس دن سے کم رہا، مثلاً عادت ہر ماہ پانچ دن خون آنے کی تھی اور ایک بار آٹھ دن خون نہیں آیا تو اب اس میں اختلاف ہے کہ حیض پانچ دن شمار ہوگا یا آٹھ دن۔

چنانچہ مشائخ بلخ کا مذہب یہ ہے کہ ایامِ عادت یعنی پانچ دن گزرنے کے بعد اس عورت کو حکم دیا جائے گا کہ وہ غسل کر کے نماز پڑھنا شروع کر دے؛ کیونکہ پانچ دن سے زائد کا حال حیض اور استحاضہ کے درمیان متردد ہے؛ اس لیے کہ خون دس دن سے پہلے مثلاً آٹھ دن میں منقطع ہو گیا، تو یہ کل کا کل حیض کا خون ہوگا اور کہا جائے گا کہ حیض کے سلسلہ میں اس عورت کی عادت بدل گئی کہ پہلے پانچ روز تھی، پھر آٹھ روز ہو گئی اور اگر یہ خون دس روز سے متجاوز ہو گیا تو ایامِ عادت کے علاوہ کا خون استحاضہ ہوگا، پس اس تردد کے ساتھ نماز نہیں چھوڑی جائے گی۔

اور بخارا کے مشائخ کا مذہب یہ ہے کہ ایامِ عادت کے بعد اگر خون دیکھے تو اس کو غسل کر کے نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا جائے گا، ہاں اگر خون دس دن سے متجاز ہو گیا، تو ایامِ عادت کے بعد کی نمازوں کی قضاء کا حکم دیا جائے گا۔

متفق علیہ مسئلہ: جس کو مصنفؒ نے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ اگر عورت کی عادت دس روز سے کم خون آنے کی تھی؛ لیکن اس مرتبہ خون دس روز سے متجاوز ہو گیا تو اس صورت میں حکم یہ ہے کہ ایامِ عادت میں جو خون آیا وہ حیض شمار ہوگا اور جو خون ایامِ عادت سے زائد آیا ہے وہ استحاضہ کا خون ہوگا۔ دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول: "اَلْمُسْتَحَاضَةُ تَدَعُ الصَّلٰوةَ أَيَّامَ أَقْرَائِهَا" حدیث میں "أَيَّام أَقْرَائِهَا" سے مراد ایامِ عادت ہیں، پس حدیث کا مطلب یہ ہوگا مستحاضہ عورت اپنے ایامِ عادت میں نماز ترک کر دے اور ایامِ عادت سے بعد کے دنوں میں نماز ترک نہ کرے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

دوسری عقلی دلیل یہ ہے کہ ایامِ عادت سے زائد جو خون آتا ہے وہ ایسا ہے جیسا کہ دس دن سے زائد خون آیا ہو اور جو خون دس دن کے بعد آتا ہے، وہ تمام احناف کے نزدیک استحاضہ کا خون ہے؛ لہٰذا ایامِ عادت سے زائد جو خون آئے گا وہ بھی استحاضہ خون ہوگا۔

اور اگر ایسی عورت ہو کہ پہلے اس کو حیض نہ آیا تھا، اسی حیض سے بالغہ ہوئی؛ مگر بالغہ مستحاضہ ہو کر ہوئی یعنی جو حیض بلوغ کا آیا دس دن سے تجاوز کر گیا اور مستمر ہو گیا، تو اس کا حیض ہر ماہ دس دن ہوگا اور باقی استحاضہ ہے؛ کیونکہ دس دن خون آ کر اگر منقطع ہو جاتا تو یہ پورے کا پورا یقیناً حیض ہوتا؛ لیکن جب دس دن سے زائد ہو گیا تو اس بات میں شبہ ہو گیا کہ تین دن سے زائد حیض ہے یا نہیں، پس یقینی چیز اس شک کی وجہ سے زائل نہیں ہوگی، واللہ اعلم۔

سوال ۵۸، ہدایہ اوّل: ص/۶۸ (سالانہ ۱۴۲۸ھ)

(الف) عبارت باعراب: فَإِنْ وَلَدَتْ وَلَدَيْنِ فِي بَطْنٍ وَاحِدٍ فَنِفَاسُهَا مِنَ الْوَلَدِ الْأَوَّلِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَإِنْ كَانَ بَيْنَ الْوَلَدَيْنِ أَرْبَعُونَ يَوْمًا وَقَالَ مُحَمَّدٌ مِنَ الْوَلَدِ الْأَخِيرِ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ لِأَنَّهَا حَامِلٌ بَعْدَ وَضْعِ الْأَوَّلِ فَلَا تَصِيرُ نُفَسَاءَ، كَمَا أَنَّهَا لَا تَحِيضُ، وَلِهٰذَا تَنْقَضِي الْعِدَّةُ بِالْوَلَدِ الْأَخِيرِ بِالْإِجْمَاعِ، وَلَهُمَا أَنَّ الْحَامِلَ إِنَّمَا لَا تَحِيضُ لِانْسِدَادِ فَمِ الرَّحِمِ عَلٰى مَا ذَكَرْنَا وَقَدِ انْفَتَحَ بِخُرُوجِ الْأَوَّلِ وَتَنَفَّسَ بِالدَّمِ فَكَانَ نِفَاسًا.

(الف) عبارت پر اعراب لگائیں (ب) ترجمہ کریں (ج) مطلب لکھیں (د) عدت کی تعریف کریں۔

جواب: (ب) ترجمہ: پس اگر کسی عورت نے ایک پیٹ سے (یعنی چھ مہینے سے کم وقت میں) دو بچے جنے تو حضرت امام صاحبؒ اور امام یوسفؒ کے نزدیک اس عورت کا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

نفاس پہلے بچہ سے شروع ہوگا، اگر چہ دونوں بچوں میں چالیس دن کا فاصلہ ہی کیوں نہ ہو، اور امام محمدؒ کے نزدیک (نفاس کی ابتداء) دوسرے بچے سے ہوگی، اور یہی امام زفرؒ کا قول ہے؛ اس لیے کہ پہلا بچہ جننے کے بعد وہ حاملہ ہے؛ اس لیے نفاس والی شمار نہیں ہوگی جیسے کہ حیض والی شمار نہیں ہوگی اور اسی وجہ سے اس عورت کی عدت بالاتفاق دوسرا بچہ جننے سے مکمل ہوتی ہے اور حضرات شیخین کے دلیل یہ ہے کہ حاملہ کو رحم کا منھ بند ہونے کی وجہ سے حیض نہیں آتا ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے، اور یہاں پہلا بچہ پیدا ہونے کی وجہ سے رحم کا منھ کھل گیا ہے اور اس سے خون نکلا ہے، لہٰذا یہ ضرور نفاس ہوگا۔

(ج): **مطلب:** مصنف علیہ الرحمہ اس عبارت میں ایک ساتھ دو بچوں کی پیدائش کے بعد عورت کے نفاس والی ہونے اور نہ ہونے کے مسئلہ کو بیان کیا ہے، اس سلسلے میں فقہاءِ کرام کا اختلاف ہے، حضرت امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کا فرمان ہے کہ اس عورت کے نفاس کی ابتداء پہلے بچہ سے ہوگی، اگر چہ دونوں بچوں کی ولادت میں چالیس روز ہی کا فاصلہ کیوں نہ ہو۔ حضرات شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ حاملہ عورت کو رحم کا منھ بند ہونے کی وجہ سے حیض نہیں آتا ہے؛ بل کہ بچہ کی ولادت کے بعد نفاس کا خون آتا ہے، بس اس عورت نے جب پہلے بچہ کو جنا تو اس کے رحم کا منھ جو پہلے بند تھا کھل گیا اور اس سے خون جاری ہوگیا تو اس خون کو نفاس ہی کہا جائے گا؛ اس لیے ہمارے نزدیک اس عورت کے نفاس کی ابتداء پہلے بچہ کی پیدائش ہوگی۔ اس کے برخلاف امام محمدؒ اور امام زفرؒ کہتے ہیں کہ اس عورت کے نفاس کی ابتداء دوسرے بچے کی ولادت سے ہوگی، یہ حضرات اپنے مسلک پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ یہ عورت پہلا بچہ جننے کے بعد بھی دوسرے بچہ کے حمل سے ہے اور حاملہ کو حیض ونفاس نہیں آتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اگر اس جیسی عورت کو طلاق دے دی جائے تو بالاتفاق اس کی عدت دوسرے بچے کی پیدائش سے مکمل ہوتی ہے، پس بایں وجہ اس عورت کے نفاس کی ابتداء دوسرے بچے کی ولادت سے ہوگی۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(د): **عدت کی تعریف:** عدت شریعت کی اصطلاح میں اس مدت کو کہتے ہیں جس میں عورت پر شوہر سے نکاح ختم ہوجانے کے بعد خواہ نکاح طلاق کی وجہ سے ختم ہوا ہو یا شوہر کے انتقال کی وجہ سے، دوسرا نکاح کرنا ممنوع ہے۔

اگر کوئی عورت حاملہ مطلقہ یا متوفی عنہا زوجہا ہو اور وہ ایک پیٹ سے (چھ مہینے سے کم وقت میں) دو بچے جنے تو تمام ائمۂ احنافؒ کے نزدیک اس کی عدت دوسرے بچے کی ولادت سے ختم ہوگی، پہلے کی پیدائش سے ختم نہیں ہوگی۔

سوال ۵۹، ہدایہ اوّل: ص/۶۸ (داخلہ امتحان ۱۴۳۲ھ)

(الف) عبارت باعراب: تَطْهِيرُ النَّجَاسَةِ وَاجِبٌ مِنْ بَدَنِ الْمُصَلِّي وَثَوْبِهِ وَالْمَكَانِ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْهِ لِقَوْلِهِ تَعَالٰى: ﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ﴾ وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ "حُتِّيهِ ثُمَّ اقْرُصِيهِ ثُمَّ اغْسِلِيهِ بِالْمَاءِ وَلَاتَضُرُّكِ أَثَرُهُ" وَإِذَا وَجَبَ التَّطْهِيرُ فِي الثَّوْبِ وَجَبَ فِي الْبَدَنِ وَالْمَكَانِ لِأَنَّ الْإِسْتِعْمَالَ فِي حَالَةِ الصَّلٰوةِ يَشْتَمِلُ الْكُلَّ.

(الف) عبارت پر اعراب لگائیں (ب) ترجمہ کریں (ج) صورتِ مسئلہ کو مکمل طور پر واضح کریں

جواب: (ب) ترجمہ: مصلی کے بدن، اس کے کپڑے اور اس جگہ کا بھی پاک ہونا ضروری ہے جس پر نماز پڑھتا ہے نجاست کو پاک کرنا واجب ہے؛ اس لیے کہ ارشادِ باری ہے: "اور اپنے کپڑے کو پاک رکھئے" اور آپ علیہ السلام نے فرمایا (ایک عورت سے) کہ "اسے رگڑو، پھر کھرچو پھر اس کو پانی سے دھوڈالو، اور اس کا داغ تیرے لیے نقصان دہ نہیں ہے" اور جب کپڑے کی تطہیر واجب ہوگئی تو بدن اور مکان کی تطہیر بھی واجب ہوگی؛ کیوں کہ بحالتِ نماز استعمال کرنا ان سب کو شامل ہے۔

(ج) تشریح عبارت: صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ جس طرح سے نماز پڑھنے والے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کے لیے اپنے بدن کو پاک صاف رکھنا ضروری ہے اسی طرح اپنے لباس اور نماز پڑھنے کی جگہ کو بھی پاک رکھنا فرض اور لازم وضروری ہے، اس عبارت میں واجب بمعنیٰ فرض ہے۔ بدن اور مکانِ صلوٰۃ کی تطہیر کی دلیل ان کی دلیل دلالت النص سے ثابت ہوگی، بایں طور کہ کپڑے کا پاک کرنا اس لیے واجب ہوا کہ نماز اپنے مولیٰ کے ساتھ مناجات کی حالت ہے، لہٰذا مصلی کے لیے ضروری ہوگا کہ احسن حالات پر ہو اور مصلی کے لیے احسن احوال اس وقت ثابت ہوگا جب کہ مصلی خود پاک ہو اور جو چیزیں اس کے ساتھ متصل ہیں وہ بھی پاک ہوں، پس جب کپڑا جو کہ مصلی کے ساتھ کامل اتصال نہیں رکھتا اس کا پاک کرنا فرض ہے، تو بدن اور مکان جس کا نماز کے ساتھ کامل اتصال ہے، ان کا پاک رکھنا بدرجۂ اولیٰ فرض ہوگا، نیز ان دونوں کے پاک رکھنے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ نمازی اللہ رب العزت سے سرگوشی کرتا ہے؛ اس لیے اس پر احسن حالت کا اختیار کرنا ضروری ہے اور احسن حالت جبھی ہوگی جب کہ اس کے کپڑے، بدن اور نماز کی جگہ بھی پاک ہوگی، پس اس وجہ سے ہم نے اس پر کپڑوں کے ساتھ ساتھ بدن اور جگہ کو بھی پاک رکھنا واجب ہے۔

سوال ۶۰، ہدایہ اوّل: ص/۶۹ (داخلہ امتحان ۱۴۳۱ھ وششماہی ۱۴۳۳ھ)

(الف) **عبارت باعراب:** وَإِذَا أَصَابَ الْخُفَّ نَجَاسَةٌ لَهَا جِرْمٌ كَالرَّوْثِ وَالْعَذِرَةِ وَالدَّمِ وَالْمَنِيِّ وَجَفَّتْ فَدَلَّكَهُ بِالْأَرْضِ جَازَ وَهٰذَا اسْتِحْسَانٌ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَايَجُوْزُ وَهُوَ الْقِيَاسُ إِلَّا فِي الْمَنِيِّ خَاصَّةً لِأَنَّ الْمُتَدَاخِلَ فِي الْخُفِّ لَايُزِيْلُهُ الْجَفَافُ وَالدَّلْكُ بِخِلَافِ الْمَنِيِّ عَلٰى مَانَذْكُرُهُ، وَلَهُمَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَإِنْ كَانَ بِهِمَا أَذًى فَلْيَمْسَحْهُمَا بِالْأَرْضِ فَإِنَّ الْأَرْضَ لَهُمَا طَهُوْرٌ.

(الف) عبارت پر اعراب لگائیں (ب) ترجمہ کریں (ج) مطلب لکھیں (د) استحسان کی تعریف کریں (ہ) روث اور عذرہ کی مراد لکھیں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جواب: (ب) ترجمہ: اور جب خفین پر جسم والی نجاست مثلاً گوبر، آدمی کا پاخانہ، خون، یا منی لگ جائے اور خشک ہو جائے تو اس کو زمین پر رگڑ کر پاک کرنا جائز ہے اور یہ استحسان ہے اور حضرت امام زفرؒ کے نزدیک ہے کہ جائز نہیں ہے اور یہی قول قیاس ہے؛ مگر خاص طور پر منی میں (کہ اس میں رگڑ کر پاک کرنا جائز ہے) اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ جو چیز خفین میں داخل ہوگئی ہے اس کو خشک کرنا یا رگڑنا اس کو زائل نہیں کرے گا برخلاف منی کے جیسا کہ ہم بیان کریں گے، اور حضراتِ شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر خفین میں نجاست ہو تو ان کو زمین پر مل دیا جائے؛ اس لیے کہ زمین ان دونوں کے لیے مطہر (پاک کرنے والی ہے)۔

(ج) **مطلب:** اس عبارت میں مصنفؒ نے فرمایا کہ ناپاک خفین کو زمین پر رگڑ کر پاک کرنے کے جواز اور عدمِ جواز کو بیان کیا ہے، اگر خفین پر جسم والی نجاست مثلاً گوبر، پاخانہ، خون یا منی لگ جائے تو اس کو زمین پر رگڑ کر پاک کرنا جائز ہے یا نہیں، اس سلسلے میں اختلاف ہے؛ چناں چہ امام صاحبؒ اور امام یوسفؒ کا مسلک ہے کہ اگر خفین پر جسم والی نجاست لگ کر خشک ہو جائے تو اس کو زمین سے رگڑ کر پاک کرنا جائز ہے اور اس طرح رگڑنے سے خفین پاک ہو جاتا ہے اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر خفین پر جسم والی نجاست لگ کر خشک ہو جائے اور اس کو زمین سے رگڑ کر پاک کرنا جائز نہیں ہے اور اس طرح رگڑنے سے خفین پاک نہیں ہوں گے۔

شیخینؒ کی دلیل حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ حضرت ابوسعید خدریؓ آپ علیہ السلام کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ "فإذا أدنىٰ أحدكم بالمسجدِ فيقلب نعليه فإن رأى فيهما قذر فليُمسِحهما بالأرضِ" جب تم میں سے کوئی مسجد کے دروازے پر آئے تو اپنے نعلین کو الٹ پلٹ کر دیکھ لیا کرے اگر ان میں گندگی دیکھے تو اس کو زمین پر مل دے، نیز ایک دوسری روایت ہے جسے صاحبِ کتاب نے ذکر کیا ہے، آپ علیہ السلام سے یہ الفاظ منقول ہیں "فإن الأرض لهما طهور" زمین ان دونوں کے لیے مطہر ہے۔ اس

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

روایت سے ان حضرات نے اس طور پر استدلال کیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے نجاست زدہ خفین کو زمین سے رگڑنے کا حکم دیا ہے اور زمین کو اس کے لیے مطہر بھی قرار دیا ہے، پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ناپاک خفین زمین سے رگڑ دینے سے پاک ہوجاتے ہیں۔

نیز ان حضرات کی عقلی دلیل یہ ہے کہ خفین چمڑے کے ہوتے ہیں اور چمڑا ٹھوس ہونے کی وجہ سے اس میں نجاست کے اجزاء جذب نہیں ہوتے ہیں، پس جب نجاست کا جرم خشک ہوگا تو وہ اجزاء کو خود ہی اپنے اندر جذب کرے گا اور جب زمین سے رگڑنے سے وہ جرم زائل ہوگا تو اجزاء بھی زائل ہوجائیں گے اور ان کے زوال کے بعد خفین پاک ہوجائیں گے۔

اور امام محمدؒ کی دلیل اس سلسلے میں عقلی ہے، وہ یہ کہ خفین پر نجاست لگنے کے بعد نجاست کا جو جسم خفین میں سرایت کرجاتا ہے تو خفین کا خشک ہوجانا یا اس کا زمین پر رگڑنا اس سرایت شدہ نجاست کو زائل نہیں کرے گا اور جب یہ نجاست زائل نہیں ہوگی تو خفین بھی پاک نہیں ہوں گے؛ بل کہ پاک کرنے کے لیے دھونا ضروری ہوگا۔

(د) استحسان کی تعریف: استحسان شریعت کی اصطلاح میں اس قیاس خفی کو کہتے ہیں جس کا اثر انتہائی قوی ہوتا ہے اور قیاس ایک مسئلہ پر دوسرے مسئلہ کے حکم کو دلیل اور علت کے ایک ہونے کے ساتھ عائد کرنے کو کہتے ہیں۔

نوٹ: صاحبِ ہدایہ نے حضرت امام محمدؒ کے اس قول کو مبنی بر قیاس قرار دیا ہے جبکہ حضراتِ شیخین کے مذہب کو مبنی بر استحسان کہا ہے۔

(ہ) روث اور عذرہ کی مراد: روث سے مراد گوبر، جانور وغیرہ کا اور عذرہ سے مراد آدمی کا پاخانہ وغیرہ۔

سوال ۶۱، ہدایہ اوّل: ص ۷۰ (داخلہ امتحان ۱۴۲۸ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَإِنْ أَصَابَتِ الْأَرْضَ نَجَاسَةٌ وَجَفَّتْ بِالشَّمْسِ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

وَذَهَبَ أَثَرُهَا جَازَتِ الصَّلَاةُ عَلٰى مَكَانِهَا وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ لَاتَجُوْزُ لِأَنَّهُ لَمْ يُوْجَدِ الْمُزِيْلُ وَلِهٰذَا لَايَجُوْزُ التَّيَمُّمُ بِهٖ، وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ذَكَاةُ الْأَرْضِ يُبْسُهَا وَإِنَّمَا لَايَجُوْزُ التَّيَمُّمُ بِهٖ لِأَنَّ طَهَارَةَ الصَّعِيْدِ ثَبَتَتْ شَرْطًا بِنَصِّ الْكِتَابِ فَلَا تَتَأَدّٰى بِمَا ثَبَتَ بِالْحَدِيْثِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگائیں (ب) ترجمہ کریں (ج) عبارت کی تشریح کریں (د) اور امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب بھی دیں۔

جواب: (ب) **ترجمہ:** اور اگر نجاست زمین کو لگ گئی، پھر وہ سورج سے خشک ہوگئی اور اس کا اثر ختم ہوگیا اس جگہ نماز پڑھنا جائز ہے، امام زفرؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جائز نہیں ہے؛ اس لیے کہ مزیلِ نجاست نہیں پایا گیا، اسی وجہ سے اس جگہ سے تیمّم کرنا جائز نہیں ہے۔ ہماری دلیل آپ علیہ السلام کا قول ہے ''زمین کی طہارت اس کا خشک ہوجانا ہے'' اور تیمّم اس وجہ سے جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ مٹی کی طہارت نص کتاب سے شرط بن کر ثابت ہوئی ہے، لہٰذا وہ اس چیز سے ادا نہیں ہوگی جو حدیث سے ثابت ہے۔

(ج) عبارت کی تشریح: صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر زمین پر نجاست لگی، پھر وہ سورج سے یا آگ سے یا ہوا سے یا اس کے علاوہ کسی اور چیز سے خشک ہوگئی اور نجاست کا اثر اور رنگ و بو بھی جاتا رہا تو اس جگہ کھڑے ہوکر نماز پڑھنا جائز ہے؛ البتہ اس سے تیمّم کرنا جائز نہیں ہے، امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ خشک ہونے کے بعد اس جگہ نماز پڑھنا جائز نہیں ہے کہ وہاں نجاست لگی ہے اور مزیلِ نجاست جو کہ پانی ہے نہیں پایا گیا۔

ہماری دلیل آپ علیہ السلام کا فرمان ہے: ''ذکاۃ الأرض یبسھا'' یعنی خشک ہوجانا ہی زمین کے لیے طہارت ہے اسی کے ہم معنیٰ دوسری حدیث ہے ''أیما أرض جفت فقد ذکت'' ہے جو اس کی تصدیق کر رہی ہے۔

(د) امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب: امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ آپ کا کہنا کہ مزیلِ نجاست موجود نہیں ہے غلط ہے، اور صحیح یہ ہے کہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

یہاں مزیلِ نجاست موجود ہے اور وہ دھوپ کی حرارت ہے، اگرچہ آپ اس کو مزیلِ نجاست تسلیم نہیں کرتے؛ لیکن ہم اس کو مزیلِ نجاست تسلیم کرتے ہیں۔ تیمّم کے لیے مٹی کا پاک ہونا کتاب اللہ کی آیت ﴿فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا﴾ سے ثابت ہے، اس آیت میں اللہ رب العزت نے مؤمنین کو پاک مٹی ہی سے تیمّم کرنے کا حکم دیا ہے۔

سوال ۶۲، ہدایہ اوّل: ص ۷۱ (سالانہ امتحان ۱۴۳۵ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَقَدْرُ الدِّرْهَمِ وَمَا دُوْنَهُ مِنَ النَّجِسِ الْمُغَلَّظِ كَالدَّمِ وَالْبَوْلِ وَالْخَمْرِ وَخُرْءِ الدَّجَاجِ وَبَوْلِ الْحِمَارِ جَازَتِ الصَّلَاةُ مَعَهُ وَإِنْ زَادَ لَمْ تَجُزْ، وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ: قَلِيْلُ النَّجَاسَةِ وَكَثِيْرُهَا سَوَاءٌ لِأَنَّ النَّصَّ الْمُوْجِبَ لِلتَّطْهِيْرِ لَمْ يُفَصِّل.

(الف) اعراب لگائیے (ب) ترجمہ کریں (ج) مطلب لکھیں (د) بتائیں کہ قدرِ درہم کا اعتبار مساحت سے ہے یا وزن سے؟ یا اس میں کچھ تفصیل ہے؟

جواب: (ب) ترجمہ: درہم کی مقدار یا اس سے کم نجاستِ مغلظہ ہو جیسے خون، پیشاب، شراب، مرغی کی بیٹ اور گدھے کا پیشاب تو اس کے ساتھ نماز جائز ہے اور اگر زیادہ ہو تو ناجائز ہے اور امام زفرؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ نجاست تھوڑی ہو یا زیادہ برابر ہے؛ اس لیے کہ نص جو پاکی کو ثابت کرتی ہے اس میں کم زیادہ کی تفصیل نہیں ہے۔

(ج) مطلب: جس نجاست کے بارے میں ائمہ کا اتفاق ہو کہ یہ نجاست ہے اس کو نجاستِ مغلظہ کہتے ہیں۔ اور جس کے بارے میں اختلاف ہو اس کو نجاستِ خفیفہ کہتے ہیں۔ تو اگر نجاستِ مغلظہ جیسے خون، پیشاب، شراب، مرغی کی بیٹ ایک درہم کی مقدار سے زیادہ کپڑے یا بدن پر لگ جائے تو وہ ناپاک ہو گیا، اس کے ساتھ نماز جائز نہیں اور اگر کم ہو تو اس سے کپڑا ناپاک نہیں ہوگا، لہٰذا اس کے ساتھ نماز جائز ہے، یہ ہم احنافؒ کے نزدیک ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

احناف میں سے امام زفرؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ نجاست درہم کی مقدار سے کم ہو یا زیادہ ہو ہر حال میں دھونا ہی پڑے گا، ان کی دلیل ایک نص ہے کہ "فَإِذَا كَانَ الدَّمُ لمعة مجتمعة وإن كانت أقل من موضع دينار أو فلس وجب عليه غسله" اس عبارت سے معلوم ہوا کہ نجاست کم ہو یا زیادہ ہر حال میں دھونا ہی پڑے گا۔

احناف کی دلیل یہ ہے کہ تھوڑی نجاست سے بچنا مشکل ہے؛ اس لیے اس کو معاف قرار دے دیا گیا؛ تاکہ لوگ تنگی میں مبتلا نہ ہوں۔

(د) قدرِ درہم کا اعتبار مساحت سے ہے یا وزن سے؟ یا اس میں کچھ تفصیل ہے؟ قدرِ درہم کا اعتبار بعض حضرات کے قول کے مطابق مساحت سے ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ وزن کے اعتبار سے ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ نجاست کی معافی کے لیے درہم کی دو حیثیت ہے، ایک اس کی چوڑائی، اور ایک اس کے وزن کا اعتبار، تو فرماتے ہیں کہ صحیح روایت یہ ہے کہ درہم کی چوڑائی کا اعتبار ہے، ہتھیلی کے درمیان جو چوڑا حصہ ہے وہ درہم کے برابر ہے، اسی کا اعتبار ہے۔

اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ وزن کے درہم کا اعتبار کیا جائے گا، تو اس درہم کا اعتبار ہوگا جو بڑا درہم ہے اور اس کا وزن ایک مثقال ہے جو 4.375 گرام کا ہوتا ہے۔

بعض حضرات دونوں کے قول کو تطبیق دینے کی کوشش کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ جس قول میں مساحت کا اعتبار کیا گیا ہے وہ پتلی نجاست کے بارے میں ہے کہ پتلی نجاست ہو تو درہم کے رقبے کا اعتبار کیا جائے گا اور 2.75 سنٹی میٹر نجاست ہو تو وہ جگہ ناپاک ہوگی۔ اور جس قول میں وزن کا اعتبار کیا گیا ہے اس کا مطلب ہے کہ نجاست گاڑھی ہو تو درہم کے وزن کا اعتبار کیا جائیگا اور 4.374 گرام وزن نجاست ہو تو جگہ ناپاک قرار دیا جائیگا، چاہے رقبے کے اعتبار سے 2.74 سنٹی میٹر سے کم رقبے پر ہی نجاست لگی ہو۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال ۶۳، ہدایہ اوّل: ص ۷۲/ (سالانہ ۱۴۳۲ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَإِذَا أَصَابَ الثَّوْبَ مِنَ الرَّوْثِ أَوْ مِنْ أَخْثَاءِ الْبَقَرِ أَكْثَرَ مِنْ قَدْرِ الدِّرْهَمِ لَمْ تَجُزِ الصَّلَاةُ فِيهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَؒ لِأَنَّ النَّصَّ الْوَارِدَ فِي نَجَاسَتِهِ وَهُوَ مَارُوِيَ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ رَمَىٰ بِالرَّوْثَةِ وَقَالَ هٰذَا رِجْسٌ أَوْ رِكْسٌ لَمْ يُعَارِضْهُ غَيْرُهُ وَبِهٰذَا يَثْبُتُ التَّغْلِيظُ عِنْدَهُ وَالتَّخْفِيفُ بِالتَّعَارُضِ وَقَالَا يُجْزِيهِ حَتّٰى يَفْحُشَ لِأَنَّ لِلِاجْتِهَادِ فِيهِ مَسَاغًا وَبِهٰذَا يَثْبُتُ التَّخْفِيفُ عِنْدَهُمَا.

(الف) عبارت پر اعراب لگائیں (ب) ترجمہ کریں (ج) عبارت کی تشریح کریں۔

جواب: (ب) ترجمہ: اور جب کپڑے میں لید یا گائے کا گوبر ایک درھم سے زیادہ لگ گیا تو امام صاحبؒ کے یہاں اس کپڑے میں نماز جائز نہیں ہے؛ کیونکہ لید کی نجاست کے متعلق نص وارد ہے اور وہ یہ روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے لید کو پھینک دیا اور فرمایا کہ یہ ناپاک ہے یا پلید ہے، اس کے معارض کوئی دوسری نص نہیں ہے اور اس سے امام صاحبؒ کے یہاں تغلیظ ثابت ہوجاتی ہے اور تخفیف تعارض سے ثابت ہوتی ہے اور صاحبینؒ نے فرمایا اس کو کافی ہے، یہاں تک کہ گاڑھی ہوجائے؛ اس لیے کہ اجتہاد کی اس میں گنجائش ہے، اور اسی وجہ سے تخفیف ثابت ہوتی ہے، صاحبینؒ کے نزدیک۔

(ج) عبارت کی تشریح: صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی کے کپڑے میں لید یا گوبر لگ جائے اور ایک درھم سے زائد مقدار میں ہو تو امام صاحبؒ کے یہاں اس کپڑے میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ امام صاحبؒ کے یہاں لید کی نجاست، نجاستِ غلیظہ ہے اور نجاستِ غلیظہ ایک درھم سے زائد معاف نہیں ہے۔ اس کے برخلاف صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ جس کے کپڑے میں لید یا گوبر لگ جائے اس کو پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے جب تک کہ یہ مقدار کثیر فاحش یعنی ربع تک نہ پہونچے؛ کیوں کہ ان کے یہاں لید اور

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

گوبر نجاستِ خفیفہ میں سے ہے؛ کیوں کہ ان چیزوں کی نجاست اور طہارت میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

امام صاحبؒ کی دلیل یہ حدیث ہے: "أنه سمع عبد اللّٰه يقول أتى النبي صلّى اللّٰه عليه وسلم الغائط فأمرني أن أتيه بثلاثة أحجارٍ فوجدت حجرين والتمست الثالث، فلم أجد فأخذت روثة فأتيته بها فأخذ الحجرين وألقى الرّوثَةَ وقال: هذا ركس". اس روایت کی وجہ سے لید کی نجاست ثابت ہو رہی ہے۔

اور لید کے نجاستِ غلیظہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے لید کو پھینک دیا اور فرمایا کہ یہ ناپاک ہے۔

اور صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ لید اور گوبر نجاستِ خفیفہ ہیں اور نجاستِ خفیفہ نماز کے لیے اس وقت مانع ہوگی جب کہ وہ کپڑے کی چوتھائی کپڑے کو لگ جائے، لہٰذا یہ نجاست اگر ایک درھم سے زائد ہو؛ مگر چوتھائی کپڑے سے کم میں ہو تو اس میں نماز پڑھنا جائز ہے۔

نجاست کے غلیظہ اور خفیفہ ہونے میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کے اُصول الگ الگ ہیں، امام صاحبؒ کے یہاں نجاستِ خفیفہ کی علت تعارضِ نص ہے اور صاحبینؒ کے یہاں نجاستِ خفیفہ کی علت ائمہ و مجتہدین کا اختلاف ہے؛ چوں کہ امام مالکؒ لید کی طہارت کے قائل ہیں؛ اس لیے مسئلہ مختلف ہوگیا اور لید صاحبینؒ کے اُصول کے اعتبار سے نجاستِ خفیفہ میں شامل ہوگئی جب کہ نص میں تعارض نہ ہونے کی وجہ سے امام صاحبؒ کے یہاں غلیظہ ہیں۔

سوال ۶۴، ہدایہ اوّل: ص ۴۷ (داخلہ امتحان ۱۴۳۴ھ)

(الف) عبارت باعراب: اَلْاِسْتِنْجَاءُ سُنَّةٌ لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاظَبَ عَلَيْهِ وَيَجُوْزُ فِيْهِ الْحَجَرُ وَمَا قَامَ مَقَامَهُ يَمْسَحُهُ حَتّٰى يُنَقِّيَهُ لِأَنَّ الْمَقْصُوْدَ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

هُوَ الْإِنْقَاءُ فَيُعْتَبَرُ مَاهُوَ الْمَقْصُوْدُ وَلَيْسَ فِيْهِ عَدَدٌ مَسْنُوْنٌ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَابُدَّ مِنَ الثَّلَاثِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَيَسْتَنْجِ مِنْكُمْ بِثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوْتِرْ فَمَنْ فَعَلَ وَحَسُنَ وَمَنْ لَا فَحَرَجَ.

(الف) عبارت پر اعراب لگائیں (ب) ترجمہ کریں (ج) صورتِ مسئلے کو واضح کریں (د) مذہبِ دوم کا جواب لکھیں (ہ) استنجاء کے لغوی واصطلاحی معنیٰ لکھیں۔

جواب: (ب) **ترجمہ:** استنجاء کرنا سنت ہے؛ کیوں کہ نبی علیہ السلام نے اس پر ہمیشگی فرمائی ہے اور استنجاء میں پتھر اور اس کے قائم مقام دوسری چیزیں جائز ہیں، اس سے پونچھے یہاں تک کہ صاف کردے؛ اس لیے کہ صفائی ہی مقصود ہے، لہٰذا مقصود ہی کا اعتبار ہوگا، اور اس میں کوئی عدد مسنون نہیں ہے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ تین کا ہونا ضروری ہے؛ اس لیے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ ''تم میں سے ہر شخص تین پتھر سے استنجاء کرے'' اور ہماری دلیل آپ علیہ السلام کا یہ فرمان ہے کہ جو شخص ڈھیلے سے استنجاء کرے وہ طاق عدد استعمال کرے جس نے ایسا کیا اس نے اچھا کیا اور جس نے نہیں کیا تو کوئی حرج نہیں ہے۔

(ج) صورتِ مسئلہ کی وضاحت: اس عبارت میں مصنفؒ نے استنجاء کا حکم اور پتھروں سے استنجاء کرتے ہوئے عدد کے مسنون یا مستحب ہونے کے متعلق ائمہ کے مذاہب اور دلائل کو کو بیان کیا ہے۔

چناں چہ استنجاء کرنا احناف کے نزدیک سنت ہے اور اس کے مسنون ہونے کی دلیل یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے اس پر مواظبت فرمائی ہے، نیز استنجاء کرنے کے لیے جس طرح پانی کا استعمال کرنا جائز ہے اسی طرح پتھر یا اس کے قائم مقام کسی ایسی چیز کا استعمال کرنا بھی جائز ہے جس سے مقام کا مکمل طور پر انقاء ہوجاتا ہے اور استنجاء میں ان چیزوں کے استعمال کی دلیل یہ ہے کہ استنجاء کا مقصد مقام کا صاف اور پاک ہونا ہے اور یہ مقصد ان چیزوں سے حاصل ہوجاتا ہے، پس بایں وجہ ان چیزوں سے استنجاء کرنا جائز ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

پتھروں سے استنجاء کرتے ہوئے کوئی عدد واجب ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں فقہاءِ کرام کے مابین اختلاف ہے، امام صاحبؒ، امام مالکؒ اور داؤد ظاہری یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ڈھیلوں سے استنجاء کرتے ہوئے تین ڈھیلوں کو اختیار کرنا صرف مسنون ہے، ان کی دلیل حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے: "من استجمر فلیوتر من فعل فقد أحسن ومن لا فلاحرج" کہ جو تم میں سے استنجاء کرے اسے چاہیے کہ طاق عدد (پتھر) لے جو ایسا کرے تو بہتر ہے اور جو نہ کرے تو اس پر کوئی حرج نہیں ہے۔ اس روایت سے ان حضرات کا استدلال اس طور پر ہے کہ آپ علیہ السلام نے استنجاء کرنے کے لیے تین پتھر لے جانے کی تاکید فرمائی ہے؛ لیکن اس کے ساتھ ساتھ نہ لے جانے والے پر کسی گناہ کے نہ ہونے کی خبر دی ہے، پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ استنجاء میں تین پتھروں کا استعمال واجب نہیں ہے، بالفرض اگر یہ واجب ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم "ومن لا فلاحرج" ارشاد فرماتے، آپ کا یہ ارشاد فرمانا اس کے واجب نہ ہونے کی دلیل ہے؛ لیکن چوں کہ آپ علیہ السلام نے اس کا امر بھی فرمایا ہے اور اس پر عمل بھی کیا ہے؛ اس لیے استنجاء میں تین پتھروں کو استعمال کرنا مسنون ہے۔ اس کے برخلاف امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ ڈھیلوں سے استنجاء کرتے ہوئے تین ڈھیلوں کا اختیار کرنا واجب ہے۔

ان کی دلیل حضرت ابو ہریرہؓ کی ہی حدیث ہے "ویستنج منکم بثلاثۃ أحجار" کہ جو تم میں سے استنجاء کرے اسے چاہیے کہ تین پتھروں کو استعمال کرے۔ استدلال اس طور پر ہے کہ آپ علیہ السلام نے صیغۂ امر کے ساتھ تین پتھروں کے استعمال کا حکم دیا اور صیغۂ امر وجوب کے لیے آتا ہے، پس اس سے معلوم ہوا کہ استنجاء میں تین پتھروں کا استعمال کرنا واجب ہے۔

(د) مذہبِ دوم کا جواب: مذہبِ دوم کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ جناب! اس حدیث کا ظاہر متروک ہے؛ اس لیے کہ یہ بات سب کے نزدیک مسلم ہے کہ اگر کسی نے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ایک پتھر کے تین کونوں سے استنجاء کرلیا تو جائز ہے، پس اگر استنجاء میں تین پتھروں کو استعمال کرنا واجب ہوتا تو اس صورت میں استنجاء صحیح نہ ہوتا؛ اس لیے کہ تین پتھروں کا وجود نہیں ہے؛ لیکن یہاں استنجاء صحیح ہورہا ہے، پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ استنجاء میں تین پتھروں کا استعمال کرنا واجب نہیں ہے۔

(ہ) **استنجاء کے لغوی واصطلاحی معنی:** استنجاء نجو سے ماخوذ ہے، اس کے لغوی معنیٰ پیٹ سے نکلنے والی چیز کے آتے ہیں اور اصطلاح میں استنجاء سبیلین سے نکلنے والی چیز سے پاکی حاصل کرنے کو کہتے ہیں۔

سوال ۶۵، ہدایہ اوّل: ص/۷۸ (ششماہی ۱۴۳۲ھ)

(الف) **عبارت باعراب:** وَأَوَّلُ وَقْتِ الْمَغْرِبِ إِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَآخِرُ وَقْتِهَا مَالَمْ يَغِبِ الشَّفَقِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ مِقْدَارُ مَا يُصَلِّي فِيهِ ثَلَاثُ رَكَعَاتٍ لِأَنَّ جِبْرَئِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَمَّ فِي الْيَوْمَيْنِ فِي وَقْتٍ وَاحِدٍ، وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَوَّلُ وَقْتِ الْمَغْرِبِ حِيْنَ تَغْرُبُ الشَّمْسُ وَآخِرُ وَقْتِهَا حِيْنَ يَغِيْبُ الشَّفَقُ.

(الف) عبارت پر اعراب لگائیں (ب) ترجمہ کریں (ج) مطلب لکھیں (د) مخالف کا جواب دیں (ہ) مذہبِ احناف کی وجہِ ترجیح لکھیں۔

جواب: (ب) **ترجمہ:** اور مغرب کا اوّل وقت وہ ہے جب سورج غروب ہوجائے اور اس کا آخری وقت شفق کے غروب نہ ہونے تک ہے اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مغرب کا وقت صرف اتنی دیر ہے جتنی دیر آدمی تین رکعت نماز ادا کرلے؛ اس لیے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور علیہ السلام کو مغرب کی نماز دونوں دن ایک ہی وقت میں ادا کرائی تھی، اور ہماری دلیل آپ علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے کہ مغرب کا اوّل وقت سورج کے غروب ہوجانے سے ہے اور اس کا آخر وقت شفق کا غروب ہوجانا ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ج) مطلب: شفق سورج کے غروب ہوجانے کے بعد افق پر ظاہر ہونے والی سرخی اور سفیدی کو کہتے ہیں؛ لیکن احادیث میں شفق سے کیا مراد ہے اور کونسی شفق کے غروب ہونے پر مغرب کا وقت ختم ہوتا ہے اس کی تعیین میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے؛ چناں چہ پہلا مذہب امام صاحبؒ کا ہے ان حضرات کے نزدیک شفق اس سفیدی کو کہتے ہیں جو سورج کے غروب ہوجانے اور سرخی کے زائل ہوجانے کے بعد افق پر ظاہر ہوتی ہے ان حضرات کے نزدیک اسی کے غروب پر مغرب کا وقت ختم ہوتا ہے، ان کی دلیل حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے "إن آخر وقت المغرب إذا أسود الأفق" کہ مغرب کا وقت اُفق کے سیاہ ہوجانے تک ہے، اس روایت سے اس طور پر استدلال کیا ہے کہ ایک روایت میں مغرب کی نماز کا آخری وقت شفق کا غروب ہونا بتایا گیا ہے اور اس روایت میں افق کا سیاہ ہونا بتایا جارہا ہے، پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شفق سے مراد افق کے سیاہ ہونے سے پہلے کی روشنی ہے اور افق کے سیاہ ہونے سے پہلے سفید روشنی ہوتی ہے، اس سے ہمارے نزدیک احادیث میں شفق سے مراد وہی شفق ہے اور اس کے غروب پر مغرب کا وقت ختم ہوتا ہے۔

دوسرا مذہب امام شافعیؒ اور صاحبینؒ کا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک شفق اس سرخی کو کہتے ہیں جو سورج کے غروب ہوجانے کے بعد افق پر ظاہر ہوتی ہے اور تھوڑی دیر میں زائل ہوجاتی ہے۔

ان کی دلیل آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے: "الشفق الحمرة" اس روایت میں صراحت کے ساتھ سورج کے غروب ہوجانے کے بعد آنے والی سرخی کو شفق قرار دیا ہے، پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ احادیث میں شفق سے مراد یہی شفق ہے، جو سورج کے غروب ہوجانے کے بعد سرخی کی صورت میں افق پر ظاہر ہوتی ہے۔

(د) مخالف کا جواب: مذہبِ دوم کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ آپ نے جو حدیث پیش کی ہے وہ حدیث مرفوع نہیں ہے؛ بل کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ پر موقوف ہے اس کے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

بالمقابل ہماری پیش کردہ روایت حدیث مرفوع ہے، لہٰذا اس مسئلے میں وہی راجح ہوگی۔

(ہ): احناف کی وجہِ ترجیح: مغرب کی نماز کے آخر وقت کے متعلق حضرت امام شافعیؒ نے حدیثِ امامتِ جبرئیل سے استدلال کیا ہے کہ مغرب کا وقت تین رکعت نماز ادا کرنے کے بقدر باقی رہتا ہے، اس کے برخلاف احناف نے آپ علیہ السلام کے قول "أوّلُ وقت المغرب حين تعرب الشّمسُ و آخر وقتها حين يغيب الشفق" کی بنیاد پر شفق کے غروب ہونے کو مغرب کا آخری وقت قرار دیا۔ احناف کی یہ دلیل امام شافعیؒ کی پیش کردہ دلیل حدیث امامتِ جبرئیلؑ سے راجح ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث قولی ہے اور امامتِ جبرئیل والی حدیث فعلی ہے اور قولی و فعلی میں تعارض کے وقت قولی کو ترجیح دی جاتی ہے، پس بایں وجہ احناف کی پیش کردہ یہ روایت امامتِ جبرئیل والی روایت سے راجح ہے۔

سوال ۶۶، ہدایہ اوّل: ص/۷۹ (داخلہ امتحان ۱۴۲۹ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَيُسْتَحَبُّ الْإِسْفَارُ بِالْفَجْرِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلْأَجْرِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ يُسْتَحَبُّ التَّعْجِيْلُ فِيْ كُلِّ صَلَاةٍ، وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَارَوَيْنَاهُ وَمَا نَرْوِيْهِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگائیں (ب) ترجمہ کریں (ج) صورتِ مسئلہ لکھیں (د) امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب دیں۔

جواب: (ب) ترجمہ: اور فجر کی نماز میں اسفار کرنا مستحب ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ فجر کی نماز اسفار میں ادا کرو؛ اس لیے کہ اس میں ثواب زیادہ ہے اور حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ہر نماز میں جلدی کرنا مستحب ہے اور امام شافعیؒ کے خلاف وہ حدیث حجت ہے جو ابھی ہم نے روایت کی ہے اور وہ بھی حجت ہے جو عنقریب ہم روایت کریں گے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ج) صورتِ مسئلہ: صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں فجر کو اسفار (روشن کرکے پڑھنا) مستحب ہے، اور دلیل یہ حدیث ہے: "**اسفروا بالفجر فإنه أعظم للأجر**" اس حدیث سے استدلال اس طور پر ہے کہ آپ علیہ السلام نے صیغۂ امر کے ساتھ اسفار میں پڑھنے کا حکم دیا ہے اور امر کا ادنیٰ درجہ استحباب ہے، لہٰذا فجر کو اسفار میں پڑھنا مستحب ہوگا۔

صاحبِ عنایہ نے لکھا ہے کہ اسفار میں پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ طلوعِ شمس سے اتنی دیر سے نماز پڑھی جائے کہ اگر دوبارہ نماز پڑھنے کی نوبت آئے (کسی عذر کی وجہ سے) تو وضو کرکے قراءتِ مسنونہ کے مطابق دوبارہ نماز پڑھی جاسکے۔ اس کے برخلاف امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ تمام نمازوں میں جلدی کرنا مستحب ہے اور جلدی سے مراد یہ ہے کہ وقت کے نصف اوّل میں نماز پڑھ لی جائے اور فجر کو غلس اور اندھیرے میں پڑھنا مستحب ہے، ان کی دلیل یہ حدیث ہے جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے: "**قالت كن نساء المؤمناتِ يشهد مع رسول الله صلّى الله عليه وسلم صلوة الفجر متلفعات بمروطهن ينقلبن إلى بيوتهم حين يقضين الصلوٰة لايعرفهن أحدٌ من الغلس**".

اس حدیث کی وجہ سے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غلس میں نماز پڑھ کر فارغ ہوجاتے اور ظاہر ہے کہ غلس اسفار سے پہلے ہے، لہٰذا فجر میں تعجیل مستحب ہے۔

(د) امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب: امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ جناب! اس روایت سے آپ فجر کی نماز میں غلس میں ادا کرنے کے مستحب ہونے پر استدلال درست نہیں ہے؛ اس لیے کہ آپ علیہ السلام کی مسجد میں چند مخصوص وجوہات کی بنیاد پر فجر کی نماز غلس میں ہوتی تھی۔ ایک وجہ یہ ہے کہ آپ علیہ السلام اور صحابہؓ تمام رات یا رات کا اکثر حصہ عبادت میں گزارتے اور دن میں کام کاج کرتے جس کی وجہ سے آرام کا وقت نہیں ملتا تھا، پس فجر کی نماز جلدی آپ علیہ السلام ادا کرتے؛ تاکہ کچھ دیر آرام کرکے کام میں مصروف ہوا جاسکے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ومانرویہ سے مراد یہ حدیث ہے: "إذا اشتدت البرد بكر بالصلوٰة وإذا اشتدت الحر برد بالصلوٰة يعني الجمعة.

سوال ۶۷، ہدایہ اوّل: ص ۸۳/ (داخلہ امتحان ۱۴۳۵ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَيُكْرَهُ أَنْ يَتَنَفَّلَ بَعْدَ الْفَجْرِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغْرُبَ لِمَا رُوِيَ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَهٰى عَنْ ذٰلِكَ وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يُصَلِّيَ فِي هٰذَيْنِ الْوَقْتَيْنِ الْفَوَائِتَ وَيَسْجُدُ لِلتِّلَاوَةِ وَيُصَلِّيَ عَلَى الْجَنَازَةِ لِأَنَّ الْكَرَاهَةَ كَانَتْ لِحَقِّ الْفَرْضِ لِيَصِيرَ الْوَقْتُ كَالْمَشْغُوْلِ بِهٖ لَا لِمَعْنًى فِي الْوَقْتِ فَلَمْ تَظْهَرْ فِي حَقِّ الْفَرَائِضِ وَفِيْمَا وَجَبَ لِعَيْنِهٖ كَسَجْدَةِ التِّلَاوَةِ وَظَهَرَ فِي حَقِّ الْمَنْذُوْرِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگائیں (ب) ترجمہ کریں (ج) ہر جزیئے کا واضح طور پر مطلب لکھیں (د) هٰذين الوقتين کی مراد لکھیں۔

جواب: (ب) ترجمہ: اور فجر کے بعد نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے، یہاں تک کہ سورج طلوع ہوجائے اور عصر کے بعد یہاں تک کہ سورج غروب ہوجائے اس حدیث کی وجہ سے جو مروی ہے کہ آپ علیہ السلام نے اس سے منع فرمایا ہے اور کوئی حرج نہیں ہے کہ کوئی شخص ان دونوں وقتوں میں قضا نمازیں پڑھے، تلاوت کا سجدہ کرے اور جنازہ کی نماز پڑھے؛ کیوں کہ کراہت حق فرض کی وجہ سے تھی؛ تاکہ پورا وقت فرض میں مشغول ہونے کی طرح ہوجائے نہ کہ ایسے معنیٰ کی وجہ سے جو وقت میں ہو، لہٰذا یہ کراہت فرائض کے حق میں ظاہر نہیں ہوگی اور نہ ان چیزوں کے حق میں جو بالذات واجب ہیں جیسے سجدۂ تلاوت؛ البتہ منذور کے حق میں ظاہر ہوگی۔

(ج) ہر جزیئے کا مطلب: كراهة لحق الفرض: فجر اور عصر کے بعد نفل پڑھنے کی کراہت فجر اور عصر کی نماز کی وجہ سے ہے؛ تاکہ پورا کا پورا وقت اسی وقت کے فرض میں مشغول ہوجائے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کالمشغول به: فجر اور عصر کی فرض نماز پڑھنے کے بعد کوئی نماز نہ پڑھے تو ایسا سمجھو کہ وہ ابھی بھی فرض نماز پڑھنے میں مشغول ہے اور فرض پڑھنے میں مشغول ہونا یہ اعلیٰ درجہ ہے، اب اگر نفل پڑھنے میں مشغول ہوگیا تو گویا کہ ادنیٰ درجہ میں مشغول ہوگیا؛ اس لیے ادنیٰ درجہ میں مشغول ہونے سے روکا گیا ہے اور مکروہ قرار دیا گیا ہے۔

لا لمعنی في الوقت: یعنی فجر اور عصر کے بعد اوقات میں بذاتِ خود کوئی کراہت نہیں ہے؛ بل کہ جو کراہت آئی ہے وہ حق فرض کی وجہ سے ہے، لہٰذا حقیقت فرض کے حق میں کراہت ظاہر نہیں ہوگی؛ کیوں کہ حقیقت فرض کے ساتھ وقت کو مشغول کرنا اولیٰ ہے، بہ نسبت حق فرض کے ساتھ مشغول کرنے کے؛ اس لیے فرائض کے حق میں اور جو اس کے ہم معنیٰ ہیں اس کے حق میں کراہت ظاہر نہیں ہوگی جیسے: سجدۂ تلاوت اور نمازِ جنازہ۔

(ج) ہر جزیئے کا واضح طور پر مطلب لکھیں (د) هٰذین الوقتین کی مراد لکھیں۔

(د) هٰذین الوقتین کی مراد: یہ ہے کہ اس میں وہ نمازیں مکروہ ہیں جو واجب لذاتہٖ نہیں ہیں جیسے نفل نماز، نذر کی ہوئی نماز، طواف کی دو رکعتیں، اسی طرح وہ نماز جس کو شروع کر کے فاسد کر دیا ہو اور وہ نمازیں مکروہ نہیں ہیں جو واجب لذاتہٖ ہیں جیسے قضا نماز، سجدۂ تلاوت اور نمازِ جنازہ۔

سوال ۶۸، ہدایہ اوّل: ص/۸۴ (ششماہی ۱۴۳۴ھ)

(الف) عبارت باعراب: اَلْأَذَانُ سُنَّةٌ لِلصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ وَالْجُمُعَةِ دُوْنَ مَاسِوَاهَا لِلنَّقْلِ الْمُتَوَاتِرِ، وَصِفَةُ الْأَذَانِ مَعْرُوْفَةٌ وَهُوَ كَمَا أَذَّنَ الْمَلَكُ النَّازِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَلَا تَرْجِيْعَ فِيْهِ وَهُوَ أَنْ يَّرْجِعَ فَيَرْفَعَ صَوْتَهُ بِالشَّهَادَتَيْنِ بَعْدَ مَاخَفَضَ بِهِمَا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ فِيْهِ ذٰلِكَ لِحَدِيْثِ أَبِيْ مَحْذُوْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ.

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(الف) عبارت پر اعراب لگائیں (ب) ترجمہ کریں (ج) اذان کی ابتدا کب اور کیسے ہوئی لکھیں؟ (د) ترجیع کے سلسلے میں فقہاء کا اختلاف لکھیں۔

جواب: (ب) ترجمہ: اذان پانچوں نمازوں اور جمعہ کے لیے متواتر کی وجہ سے مسنون ہے اور ان کے علاوہ دیگر نمازوں کے لیے مسنون نہیں ہے، اور اذان کا طریقہ معروف ہے اور وہ اس طرح ہے جس طرح آسمان سے آنے والے فرشتے نے اذان دی تھی اور اذان میں ترجیع نہیں ہے اور ترجیع یہ کہ اوّلاً شہادتین کو آہستہ کہنے کے بعد بلند آواز سے کہے اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک حضرت ابومحذورہؓ کی حدیث کی بنیاد پر اذان میں ترجیع کے قائل ہیں۔

(ج) اذان کی ابتدا کب اور کیسے ہوئی؟ اذان کی ابتداء ۱ھ یا ۲ھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی ہے اور اس کے مشروع ہونے کا واقعہ یہ ہے کہ جب مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی آبادی میں اضافہ ہوا تو نماز کے وقت کی خبر دینے کے لیے کسی علامت کو مقرر کرنے کے متعلق آپ علیہ السلام نے صحابہؓ سے مشورہ فرمایا، صحابہؓ میں سے بعض نے نماز کے وقت آگ روشن کرنے کا اور بعض نے ناقوس اور سنکھ بجانے کا مشورہ دیا؛ لیکن یہ تمام مشورے غیروں کے اختیار کردہ ہونے کی وجہ سے رَد کردیے گئے، پھر کسی نے "الصلوٰۃ جامعۃ" کے ذریعہ لوگوں میں نماز کا اعلان کرنے کا مشورہ دیا تو اس کو قبول کرلیا گیا؛ لیکن ابھی اس پر عمل کی نوبت نہیں آئی تھی کہ رات میں حضرت عبداللہ بن زید اور حضرت عمرؓ نے خواب میں فرشتے کو اذان دیتے ہوئے دیکھا صبح کو یہ خواب حضور علیہ السلام کو بتایا گیا تو آپ علیہ السلام نے "إنه لرؤيا حق" فرما کر اس خواب کی تصدیق کی اور حضرت بلالؓ کو اذان دینے کا حکم فرمادیا، یوں اس طرح اسلام میں اذان کا اجراء ہوگیا۔

(د) ترجیع کے سلسلے میں فقہاء کا اختلاف: راجح قول کی بنیاد پر اذان سنتِ مؤکدہ ہے اور اس قول پر تمام متقدمین ومتأخرین محدثین وفقہاء کا اتفاق ہے۔

نیز اذان میں ترجیع کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے؛ چناں چہ امام صاحبؒ اور

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

صاحبینؒ کے نزدیک اذان میں ترجیع نہیں ہے۔اس کے برخلاف امام شافعیؒ کے نزدیک اذان میں ترجیع ہے یعنی شہادتین کو اوّلاً دومرتبہ آہستہ آواز سے کہنے کے بعد دوبارہ بلند آواز سے کہنا ہے۔

مذہبِ اوّل کی دلیل حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث ہے:"إنّما كان الأذان على عهد رسول الله صلّى الله عليه وسلم مرّتين مرّتين والإقامة مرّة مرّة" کہ حضور علیہ السلام کے زمانے میں اذان دودومرتبہ اور اقامت ایک ایک مرتبہ ہوتی تھی۔ استدلال اس طور پر ہے کہ حضور علیہ السلام کے عہد مبارک میں اذان کے دو دومرتبہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اذان کے کلمات دو دومرتبہ کہے جاتے تھے، پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانے میں اذان میں ترجیع نہیں ہوتی تھی اگر ترجیع ہوتی تو اس روایات میں یا اذان کی جومشہور روایات ہیں ان میں شہادتین کے چار مرتبہ کہنے کا ذکر مذکور ہوتا؛ لیکن کسی روایت میں یہ بھی مذکور نہیں ہے، پس یہ اذان میں ترجیع کے نہ ہونے کی بیّن دلیل ہے۔

مذہبِ دوم کی دلیل حضرت ابومحذورہؓ کی حدیث ہے جیسا کہ مروی ہے:"إن النبي صلّى الله عليه وسلم الأذان الله أكبر، الله أكبر، اشهد أن لا إله إلّا الله، اشهد أن لا إله إلا اللّٰه، اشهد أنّ محمدا رّسول الله، أشهد أن محمدا رسول الله، ثم يعودُ فيقول اشهد أن لا إله إلّا اللّٰهَ مرّتين، أشهد أن محمدا رسول اللّٰه مرّتين" حضور علیہ السلام نے حضرت ابومحذورہؓ کو اذان سکھائی اور اذان میں اللہ اکبر دومرتبہ اس کے بعد دومرتبہ شہادتین تھے، پھر آپ نے شہادتین کا دوبارہ اعادہ کیا اور "اشهد أن لا إله إلّا الله" اور "اشهد أن محمداً رسول الله" کو دودومرتبہ کہا، اس روایت سے امام شافعیؒ نے اپنے مسلک پر بایں طور استدلال کیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے حضرت ابومحذورہؓ کو جو اذان سکھائی ہے اس میں ترجیع کا ثبوت ہے، لہٰذا اذان میں ترجیع ہے اور اس کو اختیار کرنا اولیٰ ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ہ): امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے حضرت ابومحذورہؓ کو اذان سکھاتے ہوئے شہادتین کو جو دومرتبہ کہا ہے وہ تعلیم اذان کے لیے تھا ترجیع کے لیے نہیں تھا، پس اس سے اذان میں ترجیع کے قائل ہونے پر استدلال صحیح نہیں ہے۔

سوال ۶۹، ہدایہ اوّل: ص/۸۷ (سالانہ ۱۴۲۵ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَالتَّثْوِيبُ فِي الْفَجْرِ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ مَرَّتَيْنِ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ حَسَنٌ لِأَنَّهُ وَقْتُ نَوْمٍ وَغَفْلَةٍ، وَكُرِهَ فِي سَائِرِ الصَّلَوَاتِ وَمَعْنَاهُ الْعَوْدُ إِلَى الْإِعْلَامِ بَعْدَ الْإِعْلَامِ وَهُوَ عَلَىٰ حَسَبِ مَاتَعَارَفُوْهُ.

(الف) عبارت پر اعراب لگائیں (ب) ترجمہ کریں (ج) تثویب کی تعریف، نیز تثویب کے اقسام مع احکام تحریر کریں (د) تثویب کے سلسلے میں علماء کی رائے لکھیں۔

جواب: (ب) ترجمہ: اور فجر کی نماز میں تثویب کرنا یعنی اذان اور اقامت کے مابین دومرتبہ "حيّ على الصلاة" اور "حيّ عَلى الفلاح" کہنا بہتر ہے؛ کیونکہ یہ سونے اور غفلت کا وقت ہے اور فجر کے علاوہ تمام نمازوں میں تثویب کرنا مکروہ ہے اور تثویب کے معنیٰ دوبارہ اطلاع دینے کے آتے ہیں اور یہ لوگوں کے عرف کے مطابق ہے۔

(ج): تثویب کی تعریف: "العود إلى العلام بعد العلام" یعنی ایک اعلان کو ایک مرتبہ کرنے کے بعد دوبارہ کرنے کو کہتے ہیں اور یہاں تثویب سے مراد فجر کی اذان اور اقامت کے مابین دومرتبہ "حي على الصلاة" اور "حي على الفلاح" کے کہنے کا نام ہے۔

تثویب کے اقسام اور اس کے موجدین: تثویب کی دوقسمیں ہیں: (۱) تثویبِ قدیم (۲) تثویبِ جدید، تثویبِ قدیم وہ تثویب ہے جو آج کل فجر کی اذان میں "حي

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

علی الفلاح" کے بعد "الصلوٰۃ خیر من النوم" کے ذریعے دومرتبہ ہوتی ہے یا وہ تثویب ہے جس کو مذکورہ فی السوال عبارت میں بیان کیا گیا ہے، اس تثویب کا آغاز نبی علیہ السلام کے زمانے سے ہوتا ہے اور اس کے ایجاد کرنے کا سبب فجر کے وقت میں لوگوں کو نیند اور غفلت سے بیدار کرنا ہے۔ اور یہ بدعت ہے؛ لیکن بدعتِ حسنہ ہے؛ کیوں کہ حدیث میں ہے: "ما رأہ المؤمنون حسنًا فھو عند اللّٰہ حسن وما رواہ المؤمنون قبیحًا فھو عند اللّٰہ قَبیحٌ" اور تثویب کے لیے کوئی خاص لفظ متعین نہیں ہے؛ بل کہ ہر شہر میں وہاں کے متعارف لفظ (جس سے لفظ تثویب کے معنیٰ حاصل ہوتے ہوں) کا استعمال کر سکتے ہیں جیسے: الصلوۃ، الصلوۃ یاقامت قامت یابابک نماز بابک اور اس طرح دیگر ہر وہ لفظ جو اس شہر میں لوگوں میں متعارف ہوں۔

ابتداءً یہ تثویب صرف فجر میں تھی؛ کیوں کہ فجر کا وقت نیند وغفلت کا وقت ہے؛ اس لیے اس میں اعلام کی ضرورت پڑتی ہے، پھر جیسے جیسے خیر القرون سے بعد بڑھتا گیا، اور لوگوں میں دینی رجحان گھٹتا اور کم ہوتا چلا گیا تو لوگوں کو نماز کی طرف متوجہ کرنے کے لیے سب سے پہلے علوم وفنون کے مرکزی شہر کوفہ کے علماء نے اذان اور اقامت کے درمیان دودومرتبہ حي علی الصلاۃ اور حي علی الفلاح کے کلمات سے اعلام بعد الاعلام کا ایک نیا طریقہ ایجاد کیا۔

(د): تثویب کے سلسلے میں علماءِ متاخرین نے تمام نمازوں میں تثویب کو مستحسن قرار دیا ہے اور لوگوں کی سہولت وآسانی کے پیش نظر یہ حکم جاری کیا کہ تثویب کے لیے کوئی خاص لفظ متعین نہیں ہے؛ بل کہ ہر علاقے والے اپنے اپنے یہاں کے عرف پر عمل کریں اور جس لفظ سے تثویب کے معنیٰ حاصل ہوجائیں وہ اسی کو اختیار کریں اور اس سے تثویب کا کام انجام دیں۔

تثویبِ جدید سے مراد وہ تثویب ہے جس کو عہد نبوت کے بعد لوگوں نے جاری کیا یہ تثویب ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال ۷۰، ہدایہ اوّل: ص ۱۰۲/ (ششماہی ۱۴۳۲ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَيَسْتَعِيذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى: ﴿فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾ مَعْنَاهُ: إِذَا أَرَدْتَ قِرَاءَةَ الْقُرْاٰنِ، وَالْأَوْلٰى أَنْ يَقُولَ أَسْتَعِيذُ بِاللّٰهِ لِيُوَافِقَ الْقُرْاٰنَ، وَيَقْرُبَ مِنْهُ أَعُوذُ بِاللّٰهِ، ثُمَّ التَّعَوُّذُ تَبَعٌ لِلْقِرَاءَةِ دُوْنَ الثَّنَاءِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ لِمَا تَلَوْنَا.

(الف) اعراب لگائیے (ب) ترجمہ کیجیے (ج) مطلب کی وضاحت اس طرح کیجیے کہ "ومعناہُ إذا أرَدْتَ الخ" اور "ثم التعوذُ تبعٌ للقراءۃ" سے مصنفؒ کا مقصد واضح ہوجائے۔

جواب: (ب) ترجمہ: اور اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھے۔ اللہ تعالیٰ کے قول کی وجہ سے کہ "جب قرآن پڑھا کرو تو مردود شیطان سے پناہ مانگ لیا کرو"، اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ جب قرآن پڑھنے کا ارادہ کرو، تو اعوذ باللہ پڑھ لیا کرو۔ اور بہتر یہ کہ کہے "أستعيذُ باللّٰه من الشيطانِ الرجيم" تاکہ قرآن کے موافق ہوجائے اور اس سے قریب أعوذ باللّٰه ہے، پھر أعوذ باللّٰه قرأت کے تابع ہے ثناء کے تابع نہیں ہے، امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس آیت کی بناء پر جو ہم نے ابھی تلاوت کی۔

(ج) مطلب کی وضاحت: اس عبارت میں تین بحثیں ہیں: (۱) اعوذ باللہ پڑھنا واجب ہے یا سنت یا مستحب (۲) اعوذ باللہ کب پڑھے؟ قرأت سے پہلے یا قرأت کے بعد؟ (۳) اس کے الفاظ کیا ہوں؟

ہمارے یہاں أعوذ باللّٰه پڑھنا حدیث کی بناء پر سنت ہے؛ اس لیے آیت ہے: ﴿فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ﴾، اس آیت سے معلوم ہوا کہ قراءتِ قرآن سے قبل أعوذ باللّٰه الخ پڑھے، نیز اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اعوذ باللہ قراءت کے تابع ہے ثنا کے تابع نہیں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

"ومعناهُ إذا أرَدْتَ الخ": یہ دراصل اصحابِ ظواہر کے مذہب کی تردید کے لیے ہے۔ اصحابِ ظواہر کہتے ہیں کہ آیت میں فعل ماضی کا صیغہ ہے جس کا مطلب ہے کہ قراءت کر چکو، تب أعوذ باللّٰہ پڑھو، اور وہ یہ توجیح اوپر ذکر کردہ عبادت سے کرتے ہیں کہ قراءت کے بعد اعوذ باللہ پڑھا جائیگا؛ اس لیے مصنف نے آیت کا مفہوم یہ بیان کیا کہ قراءت کا ترجمہ قراءت کر چکے ماضی نہیں ہے؛ بلکہ جب قراءت کرنے کا ارادہ ہو تو اعوذ باللہ پڑھے، یہاں تک ایک بات ہوئی۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس کے الفاظ کیا ہوں؟ تو اس کے بارے میں کہہ رہے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ أستعیذ باللّٰہ کہے؛ تاکہ قرآن میں جو لفظ ہے (أستعذ باللّٰہ) اس کے موافق ہو جائے، اسی طرح اگر اعوذ باللہ کہہ لے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

"ثم التعوذُ تبعٌ للقراءۃ": یہاں سے تیسری بات شروع کر رہے ہیں کہ تعوذ قراءت کے تابع ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں اختلاف ہے احناف میں، امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اعوذ باللہ قراءت کے تابع ہے ثناء کے نہیں؛ چنانچہ جہاں قراءت ہوگی اس سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا مسنون ہے اور جہاں قراءت نہیں ہے وہاں اعوذ باللہ پڑھنا مسنون نہیں ہے، اس کی وجہ یہ آیت ہے کہ جب قرآن پڑھ تو اعوذ باللہ پڑھ لیا کرو۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب قرآن پڑھو تو اس سے پہلے اعوذ باللہ پڑھ لیا کرو، یہی وجہ ہے کہ مسبوق جس کی نماز چھوٹ گئی ہے وہ اپنی نماز پوری کرتے وقت قراءت کرے گا؛ اس لیے وہ قراءت سے پہلے اعوذ باللہ پڑھیگا اور امام کے پیچھے جو مقتدی ہے وہ چونکہ قرائت نہیں کریگا؛ اس لیے وہ اعوذ باللہ نہیں پڑھیگا۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اعوذ باللہ ثناء کے تابع ہے قراءت کے نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بھی ثناء کی طرح دعا ہے؛ اس لیے اس کو ثناء کے تابع ہونا چاہیے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اعوذ باللہ ثناء کے بعد پڑھتے ہیں؛ اس لیے اس کو ثناء کے تابع ہونا چاہیے۔ خلاصہ یہ ہے کہ طرفینؒ کے نزدیک اعوذ باللہ قراءت کے تابع ہے اور امام یوسفؒ کے نزدیک اعوذ باللہ ثناء کے تابع ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال ۷۱، ہدایہ اوّل: ص/۱۳۷ (خودساختہ)

(الف) عبارت باعراب: فَإِنْ أَنَّ فِيهَا أَوْ تَأَوَّهَ أَوْ بَكَى فَارْتَفَعَ بُكَاءُهُ فَإِنْ كَانَ مِنْ ذِكْرِ الْجَنَّةِ أَوِ النَّارِ لَمْ يَقْطَعْهَا لِأَنَّهُ يَدُلُّ عَلَى زِيَادَةِ الْخُشُوعِ وَإِنْ كَانَ مِنْ وَجَعٍ أَوْ مُصِيبَةٍ قَطَعَهَا.

(الف) اعراب لگائیں (ب) ترجمہ کیجیے (ج) عبارت کا مطلب واضح انداز میں لکھیں۔

جواب: (ب) ترجمہ: پھر اگر نماز میں کوئی کراہا، یا آہ کیا، یا رودیا اور اس کا رونا بلند ہوا، پس اگر یہ جنت یا جہنم کے ذکر سے ہوا تو نماز نہیں ٹوٹے گی؛ اس لیے کہ یہ خشوع پر دلالت کرتی ہے اور اگر کسی درد یا مصیبت کی وجہ سے ہوا تو نماز ٹوٹ جائے گی۔

(ج) تشریح: مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نماز میں کراہنا یا آہ آہ کرنا، یا رونا اگر آہستہ سے ہے جس میں آواز نہ نکلے اور حروف پیدا نہ ہو تو اس سے نماز نہیں ٹوٹے گی؛ کیونکہ بات کرنے سے اور حروف پیدا ہونے سے نماز ٹوٹتی ہے اور اگر ایسی آواز نکلی جس میں حروف بھی پیدا ہو گئے، پس اگر رونے کی وجہ سے یہ آواز جنت یا جہنم کی یاد کی وجہ سے ہوئی ہے تب بھی نماز ٹوٹے گی؛ کیونکہ اس سے تو پتہ چلتا ہے کہ نماز میں خشوع اور خضوع بہت زیادہ ہوا جس کی وجہ سے آدمی رو پڑا، اور نماز میں خشوع وخضوع مطلوب ہے؛ اس لیے نماز نہیں ٹوٹے گی، اور اگر درد اور مصیبت کی وجہ سے اس طرح رویا کہ آواز اور حروف نکل گئے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔

سوال ۷۲، ہدایہ اوّل: ص/۱۴۲ (سالانہ ۱۴۳۷ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَلَايُقْعِي وَلَايَفْتَرِشُ ذِرَاعَيْهِ لِقَوْلِ أَبِي ذَرٍّ –رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ– نَهَانِي خَلِيلِي عَنْ ثَلَاثٍ: أَنْ أَنْقُرَ نَقْرَ الدِّيكِ، وَأَنْ أُقْعِيَ إِقْعَاءَ الْكَلْبِ، وَأَنْ أَفْتَرِشَ افْتِرَاشَ الثَّعْلَبِ، وَالْإِقْعَاءُ أَنْ يَضَعَ إِلْيَتَيْهِ عَلَى الْأَرْضِ وَيَنْصِبَ رُكْبَتَيْهِ نَصْبًا هُوَ الصَّحِيحُ، وَلَايَرُدُّ السَّلَامَ بِلِسَانِهِ لِأَنَّهُ كَلَامٌ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

وَلَا بِيَدِهِ لِأَنَّهُ سَلَامٌ مَعْنًى حَتّٰى لَوْ صَافَحَ بِنِيَّةِ التَّسْلِيْمِ تَفْسُدُ صَلَاتُهُ.

(الف) اعراب لگائیں (ب) ترجمہ کریں (ج) عبارت کے ہر ہر جزء کی اچھی طرح تشریح کریں (د) ھو الصحیح کی قید کا فائدہ لکھیں۔

جواب: (ب) ترجمہ: اور کتے کی طرح نہ بیٹھے، اور نہ اپنے پایوں کو بچھائے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے قول کی وجہ سے، کہ میرے خلیل نے مجھے تین باتوں سے روکا (۱) یہ کہ سجدے میں مرغ کی طرح ٹھونگ نہ ماروں اور یہ کہ کتے کی طرح بیٹھوں اور یہ کہ لومڑی کی طرح ہاتھ بچھاؤں، اور اقعاء کی تفصیل یہ ہے کہ دونوں سرینوں کو زمین پر رکھے اور دونوں گھٹنوں کو بالکل کھڑے کرے، یہی صحیح ہے اور زبان سے سلام کا جواب نہ دے؛ اس لیے کہ وہ کلام کے درجے میں ہے، اور نہ ہاتھ سے اشارہ کرے؛ اس لیے کہ ہاتھ سے اشارہ کرنا سلام کے معنیٰ میں ہے، یہاں تک کہ اگر سلام کی نیت سے مصافحہ کیا تو نماز فاسد ہوجائے گی۔

(ج) عبارت کے ہر ہر جزء کی تشریح: یہاں سے مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اِقعاء نہ کرے، اس کی تفسیر آگے آرہی ہے اور نہ اپنے دونوں ہاتھوں کو بچھائے؛ اس لیے یہ کہ یہ مکروہ ہے۔ صاحبِ ہدایہؒ نے دلیل میں حضرت ابوذرؓ کا قول پیش کیا ہے؛ مگر شارحینِ حدیث نے کہا کہ امام احمدؒ نے اپنی مسند میں قولِ ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے، مراد یہ ہے کہ قولِ ابی ذر غریب ہے، متن حدیث یہ ہے: "نهاني رسول الله صلّى الله عليه وسلم عن ثلاثةٍ عَن نُقْرَةٍ كَنُقْرَةِ الدِّيْكِ، وإقعاءٍ كَإِقْعَاءِ الْكَلْبِ، و التِفَاتٍ كالتفاتِ الثعلبِ" یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھ کو رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تین باتوں سے منع فرمایا: ایک مرغ کی طرح چونچ مارنے سے یعنی سجدہ اس قدر خفیف کرے کہ جیسے مرغ چونچ مار کر سر اٹھالیتا ہے، دوم: کتے کی طرح بیٹھنے یعنی التحیات اور دونوں سجدوں کے درمیان کتے کی طرح بیٹھنے سے منع کیا، سوم: لومڑی کی طرح ادھر اُدھر تاک جھانک کرنے سے۔ اور حدیث ابوذرؓ کو صاحبِ ہدایہ نے ذکر کیا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اس میں تیسری بات یہ ہے: "إن افترشَ افتراش الثعلب" یعنی لومڑی کی طرح (حالتِ سجدہ میں) ہاتھوں کے بچھانے سے منع فرمایا۔

والإقعاء: إقعاء کی دو تفسیریں کی گئی ہیں: (۱) امام طحاوی رحمہ اللہ کے نزدیک، (۲) امام کرخی کے نزدیک۔ امام طحاوی رحمہ اللہ کے نزدیک اقعاء یہ ہے کہ اپنی سرین پر بیٹھے، اپنے دونوں رانوں کو کھڑا کرے، اپنے دونوں گھٹنوں کو سینے سے ملائے اور دونوں ہاتھ زمین پر رکھے، یہی صحیح تفسیر ہے، اسی کو صاحبِ ہدایہ نے اختیار کیا ہے۔

امام کرخی رحمہ اللہ کے نزدیک اِقعاء یہ ہے کہ اپنے دونوں قدموں کو کھڑا کرے ایڑیوں پر بیٹھ جائے اور دونوں ہاتھ زمین پر رکھے۔

ولا یردُّ السلام: یہاں سے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ نماز میں زبان سے سلام کا جواب دینا مفسدِ نماز ہے؛ کیونکہ یہ کلام ہے اور کلام نماز کو فاسد کر دیتا ہے، لہٰذا اسلام کا جواب بھی نماز کو فاسد کر دیگا۔

اور اسی طرح سے ہاتھ سے بھی اشارہ کرنا سلام کے معنیٰ میں ہے اور ماقبل میں گزرا کہ سلام کرنا مکروہ ہے؛ اس لیے اشارہ سے جواب دینا بھی مکروہ ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر نماز میں سلام کی نیت سے مصافحہ کیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

(د) هو الصحيح کی قید کا فائدہ: اس قید کے ذریعے صاحبِ ہدایہ نے امام کرخیؒ کے اقعاء کی تفصیل سے احتراز کیا ہے۔

سوال ۳۷، ہدایہ اوّل: ص/۱۴۸ (سالانہ ۱۴۳۴ھ)

(الف) عبارت باعراب: اَلْوِتْرُ ثَلَاثُ رَكَعَاتٍ لَايَفْصِلُ بَيْنَهُنَّ بِسَلَامٍ لِمَا رَوَتْ عَائِشَةُ -رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا- أَنَّ النَّبِيَّ -عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ- كَانَ يُوْتِرُ بِثَلَاثٍ، وَحَكَى الْحَسَنُ -رَحِمَهُ اللّٰهُ- إِجْمَاعَ الْمُسْلِمِيْنَ عَلَى الثَّلَاثِ، هٰذَا أَحَدُ أَقْوَالِ الشَّافِعِيِّ -رَحِمَهُ اللّٰهُ- وَفِيْ قَوْلٍ يُوْتِرُ بِتَسْلِيْمَيْنِ هُوَ قَوْلُ مَالِكٍ.

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(الف) اعراب لگائیں (ب) ترجمہ کریں (ج) تشریح کرتے ہوئے اختلافِ ائمہ کو لکھیں۔

جواب: (ب) ترجمہ: وتر تین رکعت ہے اس کے درمیان سلام سے فصل نہ کرے؛ اس لیے کہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت پڑھتے تھے اور حضرت حسنؒ سے روایت ہے کہ مسلمانوں کا تین رکعت وتر ہونے پر اجماع ہے اور یہی امام شافعیؒ کے اقوال میں سے ایک قول ہے اور دوسرا قول ہے کہ وتر پڑھیگا دو سلاموں کے ساتھ، یہی امام مالکؒ کا قول ہے۔

(ج) تشریح مع اختلافِ ائمہ: یہاں سے مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ وتر کی تین رکعت ہے اور امام وتر کے درمیان سلام سے فصل نہیں کریگا یعنی ایسا نہ کرے کہ وتر کو دو سلام سے پڑھے، امام ابوحنیفہ کا یہی مسلک ہے کہ وتر تین رکعت ہے اور دو رکعت کے بعد سلام نہ پھیرے؛ بلکہ تین رکعت کے بعد سلام پھیریگا؛ اس لیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر پڑھتے تھے، حدیث یہ ہے: عن عليٍّ قال كان رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلم يوترُ بثلاثٍ يقرأ فيهِنَّ بتسع سُوَرٍ من المفصَّلِ يقرأُ في كل رَكعةٍ بثلاث سورٍ آخرهن قل هو اللّٰه أحد. اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وتر تین رکعت پڑھتے تھے۔ اسی طرح سے حضرت حسنؒ نے روایت کیا ہے کہ وتر کے تین رکعت ہونے پر امت کا اجماع ہے، الفاظ یہ ہیں: "عن الحسنِ قال: أجْمَعَ المسلمونَ عن أن الوتر ثلاث لايسلِّمُ إلا في آخرهن". اس اثر میں ہے کہ مسلمانوں کا اجماع ہے کہ وتر تین رکعتیں ہیں اور اس کے اخیر ہی میں سلام پھیرے۔

امام شافعیؒ کے دو قول ہیں: (۱) قول تو احناف کے قول کے مطابق ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وتر کی تین رکعتیں دو سلاموں کے ساتھ ادا کرے، یہی قول امام مالکؒ کا ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال ۴۷، ہدایہ اوّل: ص ۱۷۴ (داخلہ امتحان ۱۴۳۱ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَإِنْ دَخَلَ الْعَسْكَرُ أَرْضَ الْحَرْبِ فَنَوَوْا الْإِقَامَةَ بِهَا قَصَرُوْا وَكَذَا إِذَا حَاصَرُوْا فِيْهَا مَدِيْنَةً أَوْ حِصْنًا، وَكَذَا إِذَا حَاصَرُوْا أَهْلَ الْبَغْيِ فِيْ دَارِ الْإِسْلَامِ فِيْ غَيْرِ مِصْرٍ أَوْ حَاصَرُوْهُمْ فِي الْبَحْرِ؛ لِأَنَّ حَالَهُمْ مُبْطِلٌ عَزِيْمَتَهُمْ، وَعِنْدَ زُفَرَ يَصِحُّ فِي الْوَجْهَيْنِ إِذَا كَانَ الشَّوْكَةُ لَهُمْ لِلتَّمَكُّنِ مِنَ الْقَرَارِ ظَاهِرًا وَعِنْدَ أَبِيْ يُوْسُفَ يَصِحُّ إِذَا كَانُوْا فِيْ بُيُوْتِ الْمَدَرِ.

(الف) اعراب لگائیں (ب) ترجمہ کریں (ج) عبارت کی تشریح کرتے ہوئے اختلافِ ائمہ کو مع دلائل لکھیں۔

جواب: **(ب) ترجمہ:** اور جب لشکر کے لوگ دارالحرب میں داخل ہوئے اور پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کی، تب بھی قصر کریگا، ایسے ہی ہے جبکہ دارالحرب میں کسی شہر یا قلعے کا محاصرہ کیا ہو اور ایسے ہی دارالاسلام میں رہتے ہوئے کسی شہر کے علاوہ میں باغیوں کا محاصرہ کیا یا سمندر میں اس کا محاصرہ کیا؛ اس لیے کہ ان کا حال ارادے کو باطل کرنے والا ہے اور امام زفرؒ کے نزدیک صحیح ہے دونوں صورتوں میں بشرطیکہ اسلامی لشکر کو شوکت ہو؛ کیونکہ بظاہر ٹھہرنے کی قدرت ہے اور امام یوسفؒ کے نزدیک صحیح ہے جبکہ مٹی کے گھروں میں ہو۔

(ج) عبارت کی تشریح مع اختلافِ ائمہ: یہاں سے مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جب لشکر دارالحرب میں داخل ہو یا دارالحرب میں کسی شہر کا محاصرہ کیا ہو یا کسی قلعے کا محاصرہ کیا ہو اور وہاں پندرہ دن ٹھہرنے کی پختہ نیت کی ہو، تب بھی اس نیت کا اعتبار نہیں ہے؛ کیونکہ یہ دارالحرب ہے؛ اس لیے کیا معلوم کہ کس وقت شکست ہوگی اور یہاں سے جانا پڑے؛ اس لیے پندرہ دن ٹھہرنے کا پختہ ارادہ کیا ہو، تب بھی اس کا اعتبار نہیں ہے؛ اس لیے وہ قصر کرتا رہیگا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

لأن الداخل: یہاں سے مصنفؒ بتاتے ہیں کہ نیت کرنے کے باوجود وطنِ اقامت نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں پختہ ارادہ ہو ہی نہیں سکتا؛ اس لیے کہ پختہ ارادہ وہاں ہی شمار کیا جائے گا جہاں پختہ طور پر رہنے کا امکان ہو، اور دارالحرب میں پختہ طور پر رہنے کا امکان نہیں؛ کیونکہ شکست ہوگی تو واپس جانا پڑیگا۔

وکذا إذا حاصروا: یہاں سے مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے دارالاسلام میں رہتے ہوئے شہر کے علاوہ میں باغیوں کا محاصرہ کیا ہو، یا سمندر میں اس کا محاصرہ کیا ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ دارالاسلام ہی میں ایسی جگہ باغیوں کا محاصرہ کیے ہوئے ہو کہ جب باغی ہار جائیں تو لشکر اپنے مرکز واپس ہو جائیگا اس وقت اگر پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرے تو اس اقامت کی نیت درست نہیں ہوگی، وہ قصر ہی کرتا رہیگا؛ اس لیے کہ وہاں ان کی حالت ایسی ہے کہ ان کے پختہ ارادہ کو باطل کرنے والی ہے؛ کیونکہ طے نہیں ہے کہ باغی کس دن ہاریں گے اور لشکر اسلامی کو کس دن لوٹنا پڑے۔

امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں صحیح ہے جبکہ اسلامی لشکر کو باغیوں اور حربیوں پر قوت اور غلبہ ہو تو دارالحرب میں بھی پندرہ دن ٹھہرنے کا پختہ ارادہ کریگا تو وہ مقیم ہو جائیگا، اور باغیوں کے خلاف دارالاسلام میں بھی پندرہ دن ٹھہرنے کا ارادہ کریگا تو مقیم ہو جائیگا۔ وجہ یہ ہے کہ اسلامی لشکر کو قوت اور غلبہ ہے تو ظاہری حالت یہی ہے کہ اگر پندرہ دن ٹھہرنا چاہے تو ٹھہر سکتا ہے۔

امام یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اقامت کی جگہ گھر ہوتا ہے خیمہ نہیں؛ اس لیے لشکر نے گھروں میں قیام کیا ہو تو چاہے دارالحرب ہو چاہے دارالاسلام ہو اس کی نیت کا اعتبار ہوگا اور پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کی ہو تو مقیم ہو جائیگا اور چار رکعت نماز پڑھیگا، اس قول کا مدار یہ نہیں ہے کہ مکمل طور پر ٹھہرا جا سکتا ہے یا نہیں؛ بلکہ اس قول کا مدار یہ ہے کہ ٹھہرنے کی جگہ خیمہ نہ ہو؛ بلکہ گھر ہو جس میں لوگ اقامت کرتے ہیں، تو لشکر کے بھی اقامت کی نیت درست ہوگی اور لشکر مقیم ہو جائیگا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

خلاصہ یہ ہوا کہ امام یوسفؒ کے نزدیک اقامت کی جگہ (گھر) ہونا ضروری ہے، لہٰذا اگر گھر ہے تو اقامت کی نیت درست ہوگی چاہے یہ گھر دارالحرب میں ہو یا دارالاسلام میں ہو۔

سوال ۷۵، ہدایہ اوّل: ص/۱۸۶ (سالانہ امتحان ۱۴۲۱ھ)

(الف) عبارت باعراب: إِذَا انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ صَلَّى الْإِمَامُ بِالنَّاسِ رَكْعَتَيْنِ كَهَيْئَةِ النَّافِلَةِ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ رُكُوعٌ وَاحِدٌ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: رُكُوعَانِ، لَهُ مَارَوَتْ عَائِشَةُ، وَلَنَا رِوَايَةُ ابْنِ عُمَرَ وَالْحَالُ أَكْشَفُ عَلَى الرِّجَالِ لِقُرْبِهِمْ فَكَانَ التَّرْجِيحُ لِرِوَايَتِهِ.

(الف) اعراب لگایئے (ب) ترجمہ کریں (ج) صلوٰۃِ کسوف کی تعریف کرتے ہوئے عبارت کی تشریح واضح انداز میں کریں (د) نیز امام شافعیؒ کا جواب بھی لکھیں (ہ) صلوٰۃِ خسوف کی تعریف کریں، نیز بتائیں کہ اس میں جماعت ہے یا نہیں؟

جواب: (ب) ترجمہ: جب سورج گرہن ہوجائے تو امام لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائیگا نفل کی طرح ہر رکعت میں ایک رکوع اور امام شافعیؒ نے فرمایا: ہر رکعت میں دو رکوع ہیں، ان کی دلیل وہ روایت ہے جو حضرت عائشہؓ نے روایت کی اور ہماری دلیل حضرت ابنِ عمرؓ کی روایت ہے اور قریب ہونے کی وجہ سے مردوں پر حال زیادہ واضح ہوسکتا ہے؛ اس لیے ترجیح ان کی روایت کو ہوگی۔

(ج) صلوٰۃِ کسوف کی تعریف، نیز عبارت کی تشریح: صلوٰۃِ کسوف اس نماز کو کہتے ہیں جو سورج کے گرہن کے وقت پڑھی جاتی ہے۔ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ جب سورج گرہن ہوجائے تو امام جماعت کے ساتھ نماز پڑھائے اور جس طرح عام نفل پڑھتے ہیں کہ ہر ایک رکعت میں رکوع کرتے ہیں اور قرأت آہستہ کرتے ہیں، اسی طرح نمازِ کسوف بھی پڑھیں گے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ہر رکعت کے لیے دو رکوع ہیں یعنی ایک رکعت میں دو رکوع کریگا، امام شافعیؒ کی دلیل حضرت عائشہؓ والی روایت ہے جس کی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

طرف صاحبِ ہدایہ نے "ماروت عائشةؓ" سے اشارہ کیا۔ حدیث اس طرح ہے: "ان عائشة زوج النبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلم أخبرته أنّ رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلم يوم خسفت الشمس فقام فكبّر فقرأ قراءةً طويلةً ثم ركع ركوعًا طويلًا ثم رفع رأسه فقال سمع اللّٰه لمن حمده وقام كما هو ثم قرأ قراءة طويلةً وهي أدنى من القراءةِ الأولىٰ ثم ركع ركوعًا طويلًا وهي أدنىٰ من الرَّكعةِ الأُوْلىٰ ثم سجد سجودًا طويلًا ثم فعل في الركعة الآخِرَةِ مثل ذلكَ ثم سلِمَ وقَدْ تجلت الشَّمس. اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ہر رکعت میں دو رکعت ہوں۔

ہماری دلیل حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ ایک رکعت میں ایک ہی رکوع کیا، حدیث یہ ہے: عن عبداللّٰه بن عمرو قال: انكشفتِ الشمسُ على عهد رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلم فقام رسول اللّٰه لم يكد يركع، ثم ركع فلم يكد يرفع، ثم رفع فلم يكد يسجد، ثم سَجَدَ فلم يكد يرفع ثم رفع فكم يكد يسجد ثم سجد فلم يكد يرفع ثم رفع وفعل فى الرَّكْعَةِ الآخرىٰ مثل ذٰلك. اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی رکوع کیا۔

(د) **امام شافعیؒ کا جواب:** امام شافعیؒ کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کی روایت سے حضرت عبداللہ بن عمرو کی حدیث کو ترجیح دی جائیگی؛ اس لیے کہ عورتیں مردوں کے پیچھے رہا کرتی تھیں اور مرد آگے، لہٰذا بالمقابل حضرت عائشہؓ کے حضرت عبداللہ بن عمروؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت زیادہ جانتے تھے؛ اس لیے حضرت عائشہؓ کی روایت کو لینا ٹھیک نہیں ہے۔

(ہ) **صلوٰۃِ خسوف کی تعریف، نیز اس میں جماعت ہے یا نہیں؟** صلوٰۃِ خسوف اس نماز کو کہتے ہیں جو چاند کے گرہن کے وقت پڑھی جاتی ہے۔ اس میں جماعت نہیں ہے؛ بلکہ انفراداً انفراداً نماز پڑھی جائے گی۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال ۷۶، ہدایہ اوّل: ص/۱۹۹ (خودساختہ)

(الف) عبارت باعراب: وَمَنْ وُجِدَ قَتِيلًا فِي الْمِصْرِ غُسِّلَ لِأَنَّ الْوَاجِبَ فِيهِ الْقَسَامَةُ الدِّيَةُ فَخَفَّ أَثَرُ الظُّلْمِ إِلَّا إِذَا عُلِمَ أَنَّهُ قُتِلَ بِحَدِيدَةٍ ظُلْمًا، لِأَنَّ الْوَاجِبَ فِيهِ الْقِصَاصُ وَهُوَ عُقُوبَةٌ وَالْقَاتِلُ لَايَتَخَلَّصُ عَنْهَا ظَاهِرًا إِمَّا فِي الدُّنْيَا أَوِ الْعُقْبٰى، وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ مَا لَايَلْبَثُ بِمَنْزِلَةِ السَّيْفِ وَيُعْرَفُ فِي الْجِنَايَاتِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى.

(الف) اعراب لگائیے (ب) ترجمہ کیجیے (ج) مطلب لکھتے ہوئے اختلافِ ائمہ کی باتوں کو واضح کریں۔

جواب: (ب) ترجمہ: کوئی آدمی شہر میں قتل کیا گیا تو اسے غسل دیا جائیگا؛ اس لیے کہ اس میں قسامت اور دیّت واجب ہے، تو ظلم کا اثر کم ہوگیا؛ البتہ جب یہ جان لیا گیا کہ وہ ہتھیار سے ظلم کے طور پر قتل کیا گیا ہے (تو غسل نہیں دیا جائیگا)؛ کیونکہ اس میں قصاص واجب ہے اور یہ سزا ہے، اور قاتل اس سے چھوٹ نہیں سکتا، یا دنیا میں ظاہری طور پر یا آخرت میں۔ امام یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہر وہ چیز جس سے آدمی بچ نہیں سکتا ہو وہ حکم میں تلوار کی طرح ہے۔ انشاء اللہ کتاب الجنایات میں یہ بحث آئیگی۔

(ج) مطلب: یہاں سے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی شہر میں قتل کیا ہوا پایا جائے تو اسے غسل دیا جائیگا یا اگر وہ دھاردار ہتھیار سے قتل عمد کیا ہوا نہیں ہے تو اس میں محلے کے پچاس آدمیوں پر قسم واجب ہوتی ہے، پھر ان لوگوں پر دیت واجب ہے اور پہلے گزر چکا ہے کہ جس قتل میں دیت واجب ہوتی ہے اس شہید کو غسل دیا جائیگا، وجہ یہ ہے کہ جب دیت واجب ہوئی تو ظلم کا اثر کم ہوگیا؛ کیونکہ اس دیت سے خود مقتول کا بھی فائدہ ہوگا کہ اس کا قرض ادا کیا جائیگا اور مقتول کی وصیت ادا کی جائیگی تو چونکہ اس دیت سے مقتول کا بھی فائدہ ہے؛ اس لیے ظلم کا اثر کم ہوگیا اور شہداءِ اُحد کے درجے میں نہیں رہا؛

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اس لیے غسل دیا جائیگا۔ ہاں اگر یہ معلوم ہوجائے کہ قتل جو ہوا ہے وہ دھاردار ہتھیار سے ظلماً قتل کیا گیا ہے تو اب اُسے غسل نہیں دیا جائیگا؛ اس لیے کہ اسے ظلماً قتل کیا گیا ہے اور ظلماً قتل کے بدلے قصاص واجب ہوتا ہے، تو یہ شریعت کا حق ہے، لہٰذا اس سے ظلم کا اثر کم نہیں ہوا؛ اس لیے اسے بغیر غسل کرائے دفن کردیا جائیگا، اب اگر اس کا قاتل پتا چل گیا تو دنیا میں اُسے قصاص کے ذریعے سزا ملے گی؛ لیکن اگر معلوم نہیں ہوسکا کہ اس کا قاتل کون ہے تو اب آخرت میں اس کی سزا ضرور بھگتنا پڑیگی، یہی مطلب ہے: "إمّا في الدُّنيا أوِ الْعُقْبٰى" کا.

وعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ ومُحَمّدٍ: یہاں سے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ عبارت میں جس ظلم کے بدلے قصاص ہوتا ہے تو اُسی کو عبارت میں ظُلْمًا سے تعبیر کردیا ہے۔ قتلِ عمد کیسے ثابت ہوگا تو حضرات صاحبینؒ کے نزدیک دھاردار تلوار کے علاوہ کسی ایسی چیز سے مارا جس سے عام طور پر آدمی ٹھہرتا نہ ہو مرجاتا ہی ہو تو اس سے بھی قتلِ عمد ثابت ہوجائیگا اور قاتل پر قصاص لازم ہوگا، تلوار ہونا کوئی ضروری نہیں۔ امام صاحبؒ کے نزدیک صرف تلوار یا دھاردار لوہے سے مارا ہو تب ہی قتلِ عمد ثابت ہوگا اور قاتل پر قصاص لازم ہوگا، اور دھاردار کے علاوہ کسی بھی چیز مثلاً لاٹھی یا بھاری پتھر سے مارا ہو جس سے آدمی عام طور پر مرہی جاتا ہو، پھر بھی قتلِ عمد ثابت نہیں ہوگا اور قصاص لازم نہیں۔

سوال ۷۷، ہدایہ اوّل: ص/۲۰۱ (داخلہ امتحان ۱۴۲۲ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَلَوْ أَفَاقَ فِي بَعْضِ السَّنَةِ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ إِفَاقَتِهِ فِي بَعْضِ الشَّهْرِ فِي الصَّوْمِ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يُعْتَبَرُ أَكْثَرُ الْحَوْلِ وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الْأَصْلِيِّ وَالْعَارِضِيِّ وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ إِذَا بَلَغَ مَجْنُونًا يُعْتَبَرُ الْحَوْلُ مِنْ وَقْتِ الْإِفَاقَةِ بِمَنْزِلَةِ الصَّبِيِّ إِذَا بَلَغَ، وَلَيْسَ عَلَى الْمُكَاتَبِ زَكَاةٌ فَلَا زَكَاةَ عَلَيْهِ.

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(الف) اعراب لگائیں (ب) ترجمہ کریں (ج) عبارت کے ہر ہر جزو کو واضح کریں۔

جواب: (ب) ترجمہ: اور اگر سال کے بعض حصے میں افاقہ ہوگیا تو وہ ایسا ہی ہے جیسے کہ روزے میں مہینے کے بعض حصے میں افاق ہوگیا ہو، حضرت امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت ہے کہ وہ سال کے اکثر حصے کا اعتبار کرتے ہیں اور اصلی جنون اور عارضی جنون میں کوئی فرق نہیں ہے، اور حضرت امام ابوحنیفہؒ سے روایت ہے کہ مجنون ہوکر بالغ ہوا تو ہوش ہونے کے وقت سے سال گنا جائے گا جیسے کہ بچہ جب سے بالغ ہوتا ہے اس وقت سے سال گنا جاتا ہے، اور مکاتب پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

(ج) تشریح: یہاں سے مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جس طرح رمضان کے مہینے میں مجنون کو پورا مہینہ جنون رہا تو کسی دن کا بھی روزہ لازم نہیں ہوگا؛ لیکن کسی وقت بھی افاقہ ہوگیا تو پورے مہینے کا روزہ لازم ہوجائیگا اور جب جنونیت ختم ہوگی اس وقت قضا کرنا ہوگا؛ کیونکہ رمضان کے مہینے کا ایک جز بھی پورے مہینے کے روزے کا سبب بنتا ہے۔ اسی طرح نصاب کے مالک ہونے کے بعد سال کے کسی حصے میں مجنون کو افاقہ ہوگیا تو پورے سال کی زکوٰۃ واجب ہوگی؛ کیونکہ سال کے کسی حصے میں افاقہ ہونا پورے سال کی زکوٰۃ فرض ہونے کا سبب ہے۔

حضرت امام یوسفؒ سال کے اکثر حصے کا اعتبار کرتے ہیں یعنی اگر مجنون آدھے سال سے زائد باہوش رہا تو پورے سال کی زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر آدھے سال سے کم ہوش میں رہا تو کچھ بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ تو امام یوسفؒ نے "للأکثر حکم الکل" کے قاعدہ کے تحت وجوبِ زکوٰۃ کے لیے اکثر کا اعتبار کیا ہے۔

ولا فرق: یہاں سے مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جنون اصلی یعنی جب بالغ ہوا تو اس وقت بھی وہ مجنون تھا اور اب بھی (وجوبِ زکوٰۃ کے وقت) اور مجنون عارضی یعنی جب بالغ ہورہا تھا تو وہ عقلمند تھا بعد میں جنون طاری ہوگیا تو جنون اصلی اور جنون عارضی میں فرق نہ ہونے کا مطلب ہے کہ جنون اصلی ہو یا عارضی تھوڑی دیر کے لیے بھی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

افاقہ ہوگیا تو پورے سال کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ یہ مطلب پہلی روایت کے اعتبار سے ہے؛ البتہ امام یوسفؒ کی روایت کے اعتبار سے مطلب ہوگا کہ سال کے اکثر حصے میں افاقہ ہوا تو زکوٰۃ واجب ہوگی؛ ورنہ نہیں۔

ولیس علی المکاتب: یہاں سے فرماتے ہیں کہ مکاتب پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے؛ اس لیے کہ وہ غلام ہے اور غلامی ملک تام کے منافی ہے؛ اس لیے مکاتب اپنے مال کا مکمل مالک نہیں ہوتا؛ اس لیے اس کے مال میں زکوٰۃ واجب نہیں، حدیث ہے: "لیس في مال المکاتب زکوٰۃ حتی یعتق" کہ مکاتب کے مال میں زکوٰۃ نہیں ہے؛ کیونکہ وہ آزاد نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کے لیے مال کا پورا مالک بننا ضروری ہے اور غلام کے ہاتھ میں جتنا مال ہے وہ سب اس کے آقا کا ہے اس کا کچھ نہیں ہے۔

سوال ۷۸، ہدایہ اوّل: ص ۲۰۲/ (سالانہ ۱۴۲۶ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَوُجُوْبُ صَدَقَةِ الْفِطْرِ بِسَبَبِ الْآبِقِ وَالضَّالِّ وَالْمَغْضُوْبِ عَلٰى هٰذَا الْخِلَافِ، لَهُمَا أَنَّ السَّبَبَ قَدْ تَحَقَّقَ وَفَوَاتُ الْيَدِ غَيْرُ مُخِلٍّ بِالْوُجُوْبِ كَمَالِ ابْنِ السَّبِيْلِ، وَلَنَا قَوْلُ عَلِيٍّ –رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ– لَا زَكَاةَ فِي الْمَالِ الضِّمَارِ، وَلِأَنَّ السَّبَبَ هُوَ الْمَالُ النَّامِيْ وَلَا نَمَاءَ إِلَّا بِالْقُدْرَةِ عَلَى التَّصَرُّفِ وَلَا قُدْرَةَ عَلَيْهِ، وَابْنُ السَّبِيْلِ يَقْدِرُ بِنَائِبِهِ.

(الف) اعراب لگائیں (ب) ترجمہ کریں (ج) تشریح کرتے ہوئے ائمہ کے اختلاف مع دلائل لکھیں (د) امام شافعیؒ اور امام زفرؒ کا جواب لکھیں (ہ) مالِ ضمار کی تعریف کریں۔

جواب: (ب) ترجمہ: صدقۃ الفطر واجب ہوگا غلام کے بھاگنے کے سبب سے، اور بہک کر گم ہونے کے سبب سے، اور جس غلام کو غصب کیا ہو اسی اختلاف پر ہے ان دونوں کی دلیل یہ ہے کہ زکوٰۃ کا سبب (ملکیت) متحقق ہے اور قبضے کا فوت ہونا واجب

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہونے میں مخل نہیں ہے جیسے کہ مسافر کا مال۔ ہماری دلیل حضرت علیؓ کا قول ہے کہ مالِ ضمار میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ اور اس لیے کہ زکوٰۃ کا سبب بڑھنے والا مال ہے اور تصرف پر قدرت کے بغیر بڑھنا نہیں ہوگا اور تصرف پر اس کو قدرت نہیں ہے اور مسافر اپنے نائب کے ذریعے سے اپنے مال پر تصرف کی قدرت رکھتا ہے۔

(ج) تشریح مع اختلاف ائمہ: یہاں سے مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی کا غلام بھاگ گیا، یا کسی کا غلام بہک کر گم ہوگیا، یا پھر کسی نے غصب کرلیا اور ان غلاموں کو واپس لانے کی کوئی صورت نہیں ہے اور اسی حال میں چند سال گزر گئے، پھر اچانک مثلاً تین سال گزرنے کے بعد مل گئے تو کیا اب ان غلاموں کے گزرے ہوئے تین سال کے صدقۃ الفطر مالک پر واجب ہوگا یا نہیں؟ اس بارے میں اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک یہ غلام بالکل مفقود ہیں؛ اس لیے پچھلے سالوں کا صدقۃ الفطر واجب نہیں ہوگا اور امام شافعیؒ اور امام زفرؒ کے یہاں چونکہ مالک کی ملکیت رہی ہے؛ اس لیے پچھلے سالوں کا بھی صدقۃ الفطر واجب ہوگا۔

ان دونوں حضرات کی دلیل یہ ہے کہ زکوٰۃ کا سبب ملکیت ہے اور وہ موجود ہے؛ اس لیے زکوٰۃ واجب ہوگی باقی رہا اس بات کا کہ یہ غلام تین سال اس کی ملکیت میں نہیں ہے تو اس کا کیا ہوگا تو اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا یعنی یہ وجوب میں خلل ڈالنے والا نہیں ہے جیسے کہ مسافر کا مالک گھر پر ہوتا ہے اور اس کا مالک پر قبضہ نہیں ہوتا ہے پھر بھی اس کے مال پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، اسی طرح یہاں پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

ہماری دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے، اس میں ہے کہ جس قرض کے بارے میں شک ہو کہ وہ نہیں ملے گا اس میں گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ نہیں ہوگی، جب تک کہ اس پر قبضہ نہ کرلیا جائے یعنی قبضہ کے بعد زکوٰۃ شروع ہوگی، اس سے پتہ چلا کہ گزرے ہوئے مال میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ولأن السَّبَبَ: یہاں سے مصنفؒ نے عقلی دلیل بیان کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: زکوٰۃ کا سبب بڑھنے والا مال ہے اور مال اس وقت بڑھے گا جب اس پر تصرف کرنے اور بیچنے خریدنے کی قدرت ہو اور مالِ ضمار پر (کھوئے ہوئے مال پر) تصرف کرنے کی قدرت ہی نہیں ہے؛ اس لیے وہ مال بڑھیگا کیسے؟ اس لیے اس پر زکوٰۃ بھی واجب نہیں ہونی چاہیے (صدقۃ الفطر)۔

(د) امام شافعیؒ اور امام زفرؒ کا جواب: وابن السّبیل: یہاں سے دراصل امام شافعیؒ اور امام زفرؒ کا جواب دینا چاہتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ مسافر گھر سے باہر ہے؛ اس لیے اس کو اپنے مال پر تصرف کرنے کا اختیار تو نہیں ہے؛ لیکن اپنے نائب کے ذریعہ سے اس پر تصرف کرسکتا ہے؛ اس لیے گویا کہ اس پر تصرف کرنے کا اختیار ہے؛ اس لیے اس کے مال میں زکوٰۃ واجب ہوگی اور مالِ ضمار میں مالک کو بالکل تصرف کرنے کا اختیار نہیں ہے؛ اس لیے ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

(ہ) مالِ ضمار کی تعریف: مالِ ضمار وہ مال ہے جو غائب ہو اور اس کے ملنے کی امید نہ ہو۔ اور مالِ ضمار ہمارے نزدیک زکوٰۃ نہیں ہے؛ البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک زکوٰۃ ہے اور امام زفرؒ کے نزدیک بھی۔

سوال ۷۹، ہدایہ اوّل: ص ۲۰۷ (سالانہ ۱۴۲۴ھ)

(الف) عبارت باعراب: إِذَا كَانَتْ الْخَيْلُ سَائِمَةً ذُكُورًا وَإِنَاثًا فَصَاحِبُهَا بِالْخِيَارِ: إِنْ شَاءَ أَعْطَى عَنْ كُلِّ فَرَسٍ دِينَارًا وَإِنْ شَاءَ قَوَّمَهَا وَأَعْطَى عَنْ كُلِّ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ خَمْسَةَ دَرَاهِمَ وَهٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ وَقَالَا: لَازَكَاةَ فِي الْخَيْلِ لِقَوْلِهِ -عَلَيْهِ السَّلَامُ- لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ فِي عَبْدِهِ وَلَافِي فَرَسِهِ صَدَقَةٌ.

(الف) اعراب لگائیں (ب) ترجمہ کریں (ج) مطلب لکھیں (د) احناف کی دلیل لکھ کر صاحبینؒ کی دلیل کا جواب دیں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جواب: (ب) ترجمہ: جب کہ گھوڑے چرنے والے ہوں نر اور مادہ دونوں ہوں اور ان پر سال گزر گیا ہو تو اس کے مالک کو اختیار ہے چاہے تو ہر گھوڑے کے بدلہ میں ایک دینار دے اور چاہے تو اس کی قیمت لگائے اور ہر دوسو درہم کے بدر لے پانچ درہم دے، یہ امام صاحب کے نزدیک ہے اور یہی امام زفرؒ کا قول ہے اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ نسل بڑھانے والے گھوڑوں میں زکوٰۃ نہیں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی وجہ سے کہ مسلمان پر اس کے غلام میں اور اس کے گھوڑے میں صدقہ نہیں ہے۔

(ج) **تشریح:** مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اگر گھوڑے چرنے والے ہوں اور یہ چرنے والے گھوڑے نسل بڑھانے کے لیے ہیں اور ان گھوڑں پر سال گزر چکا ہو تو اس کی زکوٰۃ دینے کی دو شکلیں ہیں: (۱) ایک یہ کہ ہر گھوڑے کے بدلے ایک دینار دے اور (۲) دوسری شکل یہ ہے کہ گھوڑے کی قیمت لگائے اور جتنی اس کی قیمت ہو اس کے ہر دوسو درہم میں پانچ سو درہم زکوٰۃ دے۔

(د) **احناف کی دلیل اور صاحبینؒ کی دلیل کا جواب:** یہ جو باتیں اوپر گزریں کہ اس میں زکوٰۃ واجب ہے تو یہ امام صاحبؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک ہے؛ البتہ صاحبین فرماتے ہیں کہ نسل بڑھانے والے گھوڑوں میں زکوٰۃ نہیں ہے؛ البتہ اگر تجارت کے لیے گھوڑے ہوں تو ان کی قیمت میں ہر دوسو درہم میں پانچ درہم لازم ہوں گے؛ کیونکہ اب یہ تجارت کا مال ہو گیا اور تجارت کے مال میں زکوٰۃ ہے۔ صاحبین کی دلیل نبی علیہ السلام کا قول ہے جو عبارت میں مذکور ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان کے گھوڑوں میں زکوٰۃ نہیں ہے؛ کیونکہ یہ حدیث عام ہے کہ مسلمان کے گھوڑے میں صدقہ یعنی زکوٰۃ نہیں ہے؛ اس لیے تجارت کے علاوہ کسی گھوڑے میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

احناف کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے، حدیث یہ ہے: "في الخيلِ السائمة في كل فرس دينار تؤديه" اس حدیث میں ہے کہ ہر چرنے والے گھوڑے میں ایک دینار ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

صاحبین کی دلیل کا جواب: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کے گھوڑے میں زکوٰۃ نہیں ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاد کا گھوڑا ہو تو اس میں زکوٰۃ نہیں ہے، اس کا مطلب ہوا کہ نسل بڑھانے کا گھوڑا ہو تو اس پر زکوٰۃ ہے۔

سوال ۸۰، ہدایہ اوّل: ص ۲۱۰ (داخلہ امتحان ۱۴۲۵ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَإِنْ هَلَكَ الْمَالُ بَعْدَ وُجُوْبِ الزَّكَاةِ سَقَطَتِ الزَّكَاةُ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يَضْمَنُ إِذَا هَلَكَ بَعْدَ التَّمَكُّنِ مِنَ الْأَدَاءِ لِأَنَّ الْوَاجِبَ فِي الذِّمَّةِ فَصَارَ كَصَدَقَةِ الْفِطْرِ وَلِأَنَّهُ مَنَعَهُ بَعْدَ الطَّلَبِ فَصَارَ كَالْإِسْتِهْلَاكِ، وَلَنَا أَنَّ الْوَاجِبَ جُزْءٌ مِنَ النِّصَابِ تَحْقِيْقًا لِلتَّيْسِيْرِ فَيَسْقُطُ بِهَلَاكِ مَحَلِّهِ كَدَفْعِ الْعَبْدِ بِالْجِنَايَةِ يَسْقُطُ بِهَلَاكِهِ، وَالْمُسْتَحِقُّ فَقِيْرٌ يُعَيِّنُهُ الْمَالِكُ وَلَمْ يَتَحَقَّقْ مِنْهُ الطَّلَبُ.

(الف) اعراب لگائیں (ب) ترجمہ کریں (ج) دورانِ تشریح اختلافِ ائمہ مع دلائل لکھیں (د) امام شافعیؒ کے استدلال کا جواب دیں۔

جواب: (ب) ترجمہ: اگر زکوٰۃ واجب ہونے کے بعد مال ہلاک ہوگیا تو زکوٰۃ ساقط ہوجائیگی۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ادا پر قدرت کے بعد مال اگر ہلاک ہوگیا تو ضامن ہوگا؛ اس لیے کہ زکوٰۃ ذمے میں واجب ہے، تو وہ صدقۃ الفطر کی طرح ہوگیا، اور اس لیے بھی کہ گویا طلب کرنے کے بعد منع کردیا تو ایسا ہوا کہ خود مال کو ہلاک کردیا ہو، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ واجب نصاب کا ہی ایک جزء ہے آسانی متحقق ہونے کے لیے؛ اس لیے محل کے ہلاک ہونے سے زکوٰۃ ساقط ہوجائیگی جیسے کہ جرم کی وجہ سے جرم کرنے والے غلام کو ولیوں کے حوالے کردینا تو ساقط ہوجاتا ہے غلام کے ہلاک ہوجانے سے۔

(ج) تشریح مع اختلافِ ائمہ: اس عبارت میں مصنفؒ نے فرمایا کہ نصاب پر سال گزر گیا جس کی وجہ سے زکوٰۃ واجب ہوگئی اور ادا کرنے کی بھی قدرت ہوئی؛ لیکن

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ٹال مٹول کرتا رہا کہ اس درمیان مال ہلاک ہوگیا تو حنفیہ کے نزدیک زکوٰۃ ساقط ہوجائیگی اور اگر جان کر ہلاک کردیا تو زکوٰۃ باقی رہے گی، یہی امام شافعیؒ کا مسلک ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ جب سال گزر گیا تو زکوٰۃ ذمے میں واجب ہوگئی اور قاعدہ ہے کہ جب کوئی چیز ذمے میں واجب ہوتی ہے تو جب تک مستحق کو ادا نہ کرے واجب ہی رہتی ہے اور اس نے زکوٰۃ ابھی تک فقراء میں تقسیم نہیں کی؛ اس لیے زکوٰۃ واجب رہے گی، یہ ایسا ہی ہوگیا جیسا کہ صدقۃ الفطر کہ صدقۃ الفطر واجب ہونے کے بعد اگر مال ہلاک ہوجائے، تب بھی واجب رہتا ہے ساقط نہیں ہوتا ہے، اسی طرح زکوٰۃ میں بھی واجب رہے گا اور دوسری عقلی دلیل یہ ہے کہ جب زکوٰۃ واجب ہوگئی تو گویا کہ اللہ نے اس زکوٰۃ کو طلب کرلیا اور گویا کہ فقیر نے اپنا حق مانگا اور اس نے قدرت کے باوجود نہیں دیا، تو گویا کہ اس نے مال جان بوجھ کر ہلاک کردیا اور مال جان بوجھ کر ہلاک کرنے سے تو حنفیہ کے یہاں زکوٰۃ واجب رہتی ہے؛ اس لیے یہاں بھی زکوٰۃ واجب رہے گی۔ یہ امام شافعیؒ کی دلیل ہوئی۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ زکوٰۃ مالک کے ذمہ میں واجب نہیں ہوتی ہے جیسا کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں؛ بلکہ آسانی پیدا کرنے کے لیے مالِ نصاب کے ہی ایک جزء میں واجب ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ چالیس بکری میں ایک بکری زکوٰۃ ہے تو اسی چالیس بکری ہی میں سے ایک بکری لینا واجب ہے، الگ سے بکری خریدنے کی ضرورت نہیں ہے اور مال جو زکوٰۃ کا محل تھا وہ ہلاک ہوگیا تو وہ جز بھی ختم ہوگیا، اب مالک اس جزء کے ادا کرنے پر قادر نہیں ہے؛ اس لیے زکوٰۃ ساقط ہوجائے گی؛ کیونکہ محل نہیں ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ زید نے مثلاً عمر کو غلطی سے قتل کردیا تو زید پر لازم ہے کہ غلام کو عمر کے ولیوں کے حوالہ کردے، اب حوالہ کرنے سے پہلے غلام ہی ہلاک ہوگیا تو زید سے غلام دینا ساقط ہوجائے گا؛ کیونکہ غلام جو محل تھا وہی باقی نہیں رہا، اسی طرح سے زکوٰۃ سے محل ختم ہوگیا تو زکوٰۃ کا دینا بھی ساقط ہوجائے گا۔

(و) امام شافعیؒ کے استدلال کا جواب: امام شافعیؒ کی پہلی عقلی دلیل کا جواب

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہماری دلیل کے ضمن میں آ گیا اور دوسری عقلی دلیل کا جواب "والمستحقُّ" سے دے رہے ہیں۔ امام شافعیؒ نے فرمایا تھا کہ جب زکوٰۃ واجب ہوگئی تو گویا کہ اللہ نے مانگ لیا اور مانگنے کے بعد ہلاک ہوجائے تو گویا کہ ہلاک کرنا ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مالک جس فقیر کے ہاتھ میں زکوٰۃ دے گا اور اپنی زکوٰۃ کے لیے متعین کرے گا اس فقیر سے طلب کرنا اصل ہے، اس کے طلب کرنے کے بعد نہ دے تو مالک ضامن ہوگا اور مال کو ہلاک کرنا شمار کیا جائے گا اور یہاں کسی فقیر کے ہاتھ میں زکوٰۃ دی ہی نہیں ہے؛ اس لیے اس سے طلب کرنا نہیں پایا گیا؛ اس لیے خود سے ہلاک کرنا بھی نہیں ہوا؛ اس لیے زکوٰۃ واجب نہیں رہے گی۔

سوال ۸۱، ہدایہ اوّل: ص/۲۱۵ (خودساختہ)

(الف) عبارت باعراب: وَلَوْ مَرَّ صَبِيٌّ أَوْ امْرَأَةٌ مِنْ بَنِي تَغْلِبَ بِمَالٍ فَلَيْسَ عَلَى الصَّبِيِّ شَيْءٌ، وَعَلَى الْمَرْأَةِ مَا عَلَى الرَّجُلِ لِمَا ذَكَرْنَا فِي السَّوَائِمِ، وَمَنْ مَرَّ عَلَىٰ عَاشِرٍ بِمِائَةِ دِرْهَمٍ وَأَخْبَرَهُ أَنَّ لَهُ فِي مَنْزِلَةِ مِائَةً أُخْرَىٰ قَدْ حَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ لَمْ يُزَكِّ الَّتِي مَرَّ بِهَا لِقِلَّتِهَا وَمَا فِي بَيْتِهِ لَمْ يَدْخُلْ تَحْتَ حِمَايَتِهِ وَلَوْ مَرَّ بِمِائَتَيْ دِرْهَمٍ بِضَاعَةً لَمْ يَعْشُرْهَا وَكَذَا الْمُضَارَبَةُ.

(الف) اعراب لگائیں (ب) ترجمہ کیجیے (ج) تشریح اس طرح کیجیے کہ عبارت کا ہر ہر جزء بالدلیل واضح ہوجائے۔

جواب: (ب) ترجمہ: اگر بنی تغلب کا بچہ یا عورت مال لے کر گزرے تو بچے پر کچھ نہیں ہے اور عورت پر اتنا ہی ٹیکس ہے جتنا مرد پر ہے جیسا کہ ہم نے سوائم کے باب میں ذکر کیا اور اگر کوئی آدمی عاشر کے پاس سے گزرا ایک سو درہم لے کر اور یہ خبر دی کہ دوسرا ایک سو گھر میں ہے اور اس پر سال گزر گیا تو جو ایک سو لے کر گزرا اس کی زکوٰۃ نہیں لی جائے گی، نصاب سے کم ہونے کی وجہ سے اور وہ جو اس کے گھر میں ہے، وہ اس کی حفاظت میں داخل نہیں ہوا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ج) تشریح: یہاں سے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اگر بنی تغلب کا بچہ عاشر کے سامنے سے گزرا تو اس سے ٹیکس نہیں لیا جائے گا؛ چونکہ بنی تغلب سے حضرت عمرؓ نے دوگنے پر صلح کی تھی اور حنفیہ کے یہاں بچے پر زکوٰۃ نہیں ہے؛ اس لیے بچے سے زکوٰۃ نہیں لی جائے گی اور اگر کوئی مسلمان عورت بنی تغلب کا عاشر کے پاس سے گزرا تو عورت سے زکوٰۃ لی جائے گی اور صلح دوگنے پر ہوئی ہے؛ اس لیے زکوٰۃ دوگنا یعنی بیسواں حصہ لیا جائیگا۔ اثر یہ ہے: "عن عمر بن الخطابِ أنه صالح نصاریٰ بني تغلب علی أن تضعف علیهم الزکوٰة مرّتین" کہ حضرت عمرؓ نے بنی تغلب سے زکوٰۃ کے دوگنے پر صلح کی تھی۔

ومن مَرَّ علیٰ عاشرٍ: اس عبارت کو سمجھنے سے پہلے ایک اُصول ذہن میں رکھیے، اُصول یہ ہے کہ گھر کے اندر جو مال ہے عاشر اس کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حقدار نہیں ہے؛ کیونکہ وہ مالک کی حفاظت میں ہے، بادشاہ کی حفاظت میں نہیں ہے، اب سمجھئے مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی عاشر کے سامنے سے نصاب سے کم مال (ایک سو درہم) لے کر گزرا اور یہ کہا کہ دوسرا ایک سو گھر میں ہے اور اس پر سال گزر چکا ہے تو دونوں کو ملا کر زکوٰۃ نہیں لے سکتا؛ کیونکہ گھر کے اندر کا مال بادشاہ کی حفاظت میں نہیں ہے وہ خود مالک کی حفاظت میں ہے؛ اس لیے زکوٰۃ نہیں لے سکتا، صرف اس مال کی زکوٰۃ لے سکتا ہے جو عاشر کے سامنے سے لے کر گزرا اور چونکہ عاشر کے سامنے جو مال لے کر گزرا وہ نصاب سے کم ہے؛ اس لیے کسی کی بھی زکوٰۃ نہیں وصول کرے گا۔ یہی مطلب ہے لِقلّتِها وما في بینها کا؛ البتہ مالک اس کی زکوٰۃ عاشر کو دے سکتا ہے، اس میں کوئی بھی حرج نہیں ہے، اُصول یہ ہے کہ جس مال کی وہ حفاظت کرتا ہے بادشاہ صرف اس کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حقدار ہے۔

ولو مرَّ بمِائتَيْ درهم: سب سے پہلے بضاعت کو سمجھے، بضاعت کہتے ہیں ٹکڑے کو، یعنی اگر کسی نے کسی کو مال تجارت کے لیے دیا اور اس کا پورا نفع مالک کا ہو،

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

تجارت کرنے والے کو مزدوری دے دی جائے تو اس تجارت کو بضاعت کہتے ہیں اور اس مال کو مالِ بضاعت کہتے ہیں، اس میں تجارت کرنے والے کو زکوٰۃ ادا کرنے کی اجازت نہیں ہے؛ اس لیے اگر وہ مالِ بضاعت کو لے کر گزرا تو عاشر اس سے زکوٰۃ نہیں لے گا؛ کیونکہ اس کو مال دینے والے کی طرف سے زکوٰۃ ادا کرنے کی اجازت نہیں ہے؛ کیونکہ اُصول ہے کہ زکوٰۃ مالک سے لی جاسکتی ہے یا جس کو زکوٰۃ ادا کرنے کی اجازت دی اس سے لی جاسکتی ہے اور یہ شخص ان دونوں میں سے کوئی نہیں ہے۔

وکذا المضاربۃ: یہاں سے فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے کسی کو مالِ تجارت کے لیے دیا اور کہا کہ جو نفع ہوگا اس میں دونوں کا آدھا آدھا ہوگا اس تجارت کو مضاربت کہتے ہیں، اس کو مالِ مضاربت کہتے ہیں۔ اس مضاربت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے کسی کو مضاربت کے لیے مال دیا اور وہ مال لے کر عاشر کے سامنے گزرا تو عاشر اس کی زکوٰۃ نہیں لے سکتا؛ کیونکہ نہ وہ اس مال کا مالک ہے اور نہ مالک کی جانب سے زکوٰۃ ادا کرنے کی اجازت ہے، ہاں اگر اتنا نفع ہوا کہ خود مضارب کے حصہ میں دوسو درہم آگیا ہو اور اس پر سال گزر گیا ہو تو مضارب کے حصہ کی زکوٰۃ عاشر لے سکتا ہے؛ کیونکہ مضارب اس نفع کا مالک ہے۔

سوال ۸۲، ہدایہ اوّل: ص/۲۱۷ (داخلہ امتحان ۱۴۳۱ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَإِنْ وَجَدَهُ فِي الصَّحْرَاءِ فَهُوَ لَهُ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ فِي يَدِ أَحَدٍ عَلَى الْخُصُوْصِ فَلَايُعَدُّ غَدْرًا وَلَا شَيْئَ فِيْهِ؛ لِأَنَّ بِمَنْزِلَةِ الْمُتَلَصِّصِ غَيْرِ مُجَاهِرٍ، وَلَيْسَ فِي الْفِيْرُوْزَجِ يُوْجَدُ فِي الْجِبَالِ خُمُسٌ، لِقَوْلِهٖ -عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ- لَاخُمُسَ فِي الْحَجَرِ، وَفِي الزِّئْبَقِ الْخُمُسُ، فِيْ قَوْلِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ آخِرًا وَهُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ خِلَافًا لِأَبِيْ يُوْسُفَ وَلَاخُمُسَ فِي اللُّؤْلُؤِ وَالْعَنْبَرِ.

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(الف) اعراب لگایئے (ب) ترجمہ کیجیے (ج) عبارت کی تشریح کیجیے، نیز جو اختلاف ہو اس کو لکھئے۔

جواب: (ب) ترجمہ: اور اگر دفینہ صحراء میں پایا تو یہ پانے والے کے لیے ہے؛ اس لیے کہ صحراء کسی خاص آدمی کے قبضے میں نہیں ہے؛ اس لیے عذر شمار نہیں کیا جائے گا اور اس میں کچھ بھی نہیں لازم ہوگا؛ اس لیے کہ وہ خفیہ طور پر چرانے کے درجے میں ہے اور فیروز پتھر جو پہاڑوں میں پایا جاتا ہے خمس نہیں ہے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی وجہ سے کہ پتھر میں خمس نہیں ہے اور پارے میں بھی خمس نہیں ہے امام ابوحنیفہؒ کا آخری قول ہے اور یہی قول امام محمدؒ کا ہے، امام یوسفؒ اس کے خلاف ہیں، موتی اور عنبر میں خمس نہیں ہے، امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک۔

(ج) تشریح: وإن وجـــده: یہاں سے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اگر دفن کیا ہوا خزانہ دارالحرب کے کسی جنگل یا صحراء میں پایا تو یہ خزانہ پانے والے کے لیے ہے؛ اس لیے کہ یہ زمین کسی خاص آدمی کی ملکیت نہیں ہے؛ اس لیے اس کو لینے میں عذر نہیں ہے۔

ولا شيئ فيه: یہاں سے کہنا چاہتے ہیں کہ اس دفینے میں پانچواں حصہ بھی نہیں لازم ہوگا، وجہ یہ ہے کہ پانچواں حصہ اس مال میں لازم ہوتا ہے جو مالِ غنیمت کے درجے میں ہو اور جو مال یا زمین اہلِ حرب کے قبضہ میں تھا پھر مسلمان حملہ آور ہو کر اس پر غلبہ پا گئے تو وہ مالِ غنیمت کے درجے میں ہوتا ہے اور یہاں چونکہ حملہ آور ہونا نہیں پایا گیا؛ بلکہ یہ ایسا ہو گیا جیسا کہ خفیہ طور پر چرا کر خزانہ لایا ہو؛ اس لیے اس میں پانچواں حصہ بھی لازم نہیں ہوگا پورا مال پانے والے کو ملے گا۔

متلصص: لصٌّ سے مشتق ہے چور کا انداز بنانا۔ مجاهر: جهرٌ سے مشتق ہے ظاہر کرنا، اعلان کرنا غیر مجاهر خفیہ طور پر۔

وليـــس في الفيـروذج: یہاں سے فرماتے ہیں کہ پہاڑوں وغیرہ میں جو پتھر پائے جاتے ہیں جو بعض مرتبہ قیمتی ہوتے ہیں جیسے فیروز کا پتھر تو اگر خزانے کے طور پر کسی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کو مل جائے تو اس میں پانچواں حصہ نہیں ہے اس حدیث کی بناء پر جو عبارت میں مذکور ہے اس اثر میں ہے کہ پتھر میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

وفي الزِّئْبَقِ: یہاں سے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ پارہ جس کو زیبق کہتے ہیں اس کی کان نکل جائے یا اس کا خزانہ مل جائے تو اس میں خمس نہیں ہے، وجہ یہ ہے کہ یہ بھی ایک قسم کا پتھر ہے اوپر گزرا کہ پتھر میں زکوٰۃ نہیں ہے اور خمس بھی نہیں ہے؛ اس لیے اس میں خمس نہیں ہوگا، یہی امام ابوحنیفہ کا آخری قول ہے اور یہی امام محمدؒ کا قول ہے۔

امام یوسفؒ اس کے خلاف کہتے ہیں، ان کی دلیل ہے کہ پارہ عنبر کی طرح ہے اور عنبر میں زکوٰۃ ہے اور اگر اس کا خزانہ بھی مل جائے تو اس میں خمس ہوگا۔

ولا خُمُسَ في اللُّؤْلُؤ والعنبر: یہاں مصنفؒ فرماتے ہیں کہ موتی اور عنبر میں خمس نہیں ہے امام صاحبؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک، وجہ یہ ہے کہ خمس اس مال میں ہوتا ہے جو مالِ غنیمت کے درجے میں ہوتا ہے اور غنیمت اس کو شمار کر سکتے ہیں جہاں غازیوں کا غلبہ ہو اور سمندر پر غازیوں کا غلبہ نہیں ہوتا؛ اس لیے اس سے نکلنے والے سامان موتی اور عنبر میں خمس نہیں ہوگا، ایک اثر ہے کہ: "قال ابن عباس ليس العنبر بركازٍ انّما هو شيئ دسره البحر" اس اثر میں ہے کہ عنبر میں رکاز نہیں ہے یعنی اس میں پانچواں حصہ نہیں لیا جائے گا۔ دوسرا اثر ہے کہ: "عن عكرمة قال: ليس في حجر اللُّؤْلُؤ ولا حجر الزمرد زكاة إلا أن يكونا لتجارة فإن كانا لتجارةٍ ففيها زكاة" اس اثر میں ہے کہ موتی اور زمرد کے پتھر میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

امام یوسف اس کے برخلاف کہتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اس میں خمس ہے، وجہ یہ ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے خمس لیا۔ اثر ہے: "عن ليث أن عمر بن عبدالعزيز خمس العنبر" اس اثر سے معلوم ہوا کہ عنبر میں خمس ہے۔ دوسرا اثر ہے: "قال الحسن في العنبر واللُّؤْلُؤ الخمسُ" اس اثر میں ہے کہ عنبر اور موتی میں خمس ہے؛ اس لیے ان دونوں میں خمس لازم ہوگا۔ (اثار الہدایہ)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال ۸۳، ہدایہ اوّل: ص/۲۱۸ (داخلہ امتحان ۱۴۳۰ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَلَيْسَ فِي الْخَضْرَوَاتِ عِنْدَهُمَا عُشْرٌ فَالْخِلَافُ فِي مَوْضِعَيْنِ: فِي اشْتِرَاطِ النِّصَابِ وَفِي اشْتِرَاطِ الْبَقَاءِ، لَهُمَا فِي الْأَوَّلِ قَوْلُهُ -عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ- لَيْسَ فِيمَا دُوْنَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ صَدَقَةٌ، وَلِأَنَّهُ صَدَقَةٌ فَيُشْتَرَطُ فِيهِ النِّصَابُ لِيَتَحَقَّقَ الْغِنَاءُ، وَلِأَبِي حَنِيفَةَ -رَحِمَهُ اللّٰهُ- قَوْلُهُ -عَلَيْهِ الصَّلَاةُ- مَا أَخْرَجَتِ الْأَرْضُ فَفِيهِ الْعُشْرُ مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ.

(الف) اعراب لگائیے (ب) ترجمہ کریں (ج) عبارت کا مطلب لکھیں (د) صاحبینؒ کی دلیل کا جواب دیں۔

جواب: (ب) ترجمہ: اور سبزیوں میں صاحبینؒ کے نزدیک عشر نہیں ہے، پس اختلاف دو جگہوں میں ہے: (۱) نصاب کی شرط لگانے میں (۲) اور دیر تک باقی رہنے کی شرط لگانے میں۔ صاحبینؒ کے نصاب کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ "پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں ہے" اور اس لیے کہ یہ زکوٰۃ ہے؛ اس لیے تو اس میں نصاب کی شرط لگائی جاتی ہے مالداری متحقق ہونے کے لیے اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل نبی علیہ السلام کا قول کہ زمین سے جو چیز بھی پیدا ہو اس میں عشر ہے بغیر کسی تفصیل کے۔

(ج) عبارت کا مطلب: یہاں سے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ خضروات میں صاحبینؒ کے نزدیک عشر نہیں ہے، دلیل یہ ہے: "عن معاذٍ أنّه كتب إلى النبي صلّى اللّٰه عليه وسلم يسأله عن الخضروات وهي البقولُ فقال ليس فيها شيءٌ" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سبزیوں میں عشر نہیں ہے۔ (اثمار الہدایہ)

دوسری بات یہ ہے کہ صاحبینؒ اور امام صاحب میں دو باتوں میں اختلاف ہے: (۱) یہ کہ صاحبینؒ کے نزدیک عشر کا نصاب پانچ وسق غلہ ہوگا تب عشر واجب ہوگا اور امام صاحبؒ کے نزدیک تھوڑا غلہ بھی ہو تو عشر لازم ہو جائے گا اور (۲) دوسرا اختلاف یہ ہے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کہ صاحبینؒ کے نزدیک دیر تک رہنے والا غلہ ہو یا پھل ہو، تب اس میں عشر واجب ہوگا اور امام صاحبؒ کے نزدیک کوئی بھی پھل یا غلہ یا سبزی چاہے دیر تک باقی نہ رہتا ہو، تب بھی اس میں عشر واجب ہے۔ یہی مطلب ہے "في اشتراط النصاب، وفي اشتراط البقاء" کا۔ صاحبینؒ کے دلیل عبارت میں ذکر کردہ حدیث ہے کہ پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں ہے اور دوسری عقلی دلیل یہ ہے کہ یہ بھی ایک طرح سے زکوٰۃ ہے؛ اس لیے مالداری متحقق ہونے کے لیے اس میں نصاب کی شرط لگائی جاتی ہے جیسا کہ دینار میں نصاب ہو تو زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، اس طرح عشر میں بھی نصاب پانچ وسق ہو تو عشر واجب ہونا چاہیے۔ امام صاحبؒ کی دلیل یہ حدیث ہے "فيما سقتِ السماءُ والعيونُ أو كان عشر بالعشر وما سقى بالنضح نصف العشر". اس حدیث میں ہے کہ آسمان اور چشمے کے پانی سے جو کچھ بھی پیدا ہو اس میں عشر یا بیسواں حصہ واجب ہے اور اس حدیث میں تفصیل نہیں ہے کہ پانچ وسق ہو؛ اس لیے پانچ وسق ہونے کی قید مناسب نہیں معلوم ہوتی؛ اس لیے پانچ وسق کی قید درست نہیں۔ اسی طرح اس حدیث میں یہ بھی نہیں ہے کہ غلہ دیر تک باقی رہے، تو عشر ہے؛ ورنہ نہیں؛ اس لیے دیر تک باقی رہنے کی قید درست نہیں۔

(د) صاحبینؒ کی دلیل کا جواب: صاحبینؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ اگر تجارت کے لیے غلے ہوں تو پانچ وسق سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں تو یہ حیثیت تجارت کے لیے ہے نہ کہ غلہ وغیرہ میں؛ اس لیے کہ صحابہ وسق سے بیچتے تھے اور ایک وسق کی قیمت عموماً چالیس درہم ہوتی ہے۔

سوال ۸۴، ہدایہ اوّل: ص/۲۲۲ (خودساختہ)

(الف) عبارت باعراب: وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَايَجُوْزُ إِلَّا أَنْ يَصْرِفَ إِلىٰ ثَلَاثَةٍ مِنْ كُلِّ صِنْفٍ؛ لِأَنَّ الْإِضَافَةَ بِحَرْفِ اللَّامِ لِلِاسْتِحْقَاقِ، وَلَنَا أَنَّ الْإِضَافَةَ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

لِبَيَانِ أَنَّهُمْ مَصَارِفُ لَا لِإِثْبَاتِ الْإِسْتِحْقَاقِ، وَهٰذَا لِمَا عُرِفَ أَنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ اللّٰهِ تَعَالٰى وَبِعِلَّةِ الْفَقْرِ صَارُوْا مَصَارِفَ فَلَا يُبَالِيْ بِاخْتِلَافِ جِهَاتِهِ، وَالَّذِيْ ذَهَبْنَا إِلَيْهِ مَرْوِيٌّ عَنْ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ -رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ-.

(الف) اعراب لگائیے (ب) ترجمہ کیجیے (ج) عبارت کے مسئلے کو واضح انداز میں لکھیں (د) مصارف کو لکھیں۔

جواب: (ب) ترجمہ: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ہر قسموں میں سے تین کی طرف پھیرے بغیر جائز نہیں ہے؛ اس لیے کہ حرف لام کے ساتھ اضافت استحقاق کے لیے ہوتی ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ اضافت یہ بیان کرنے کے لیے ہے کہ یہ لوگ مصارف ہیں استحقاق ثابت کرنے کے لیے ہے اور جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ زکوٰۃ اللہ کا حق ہے اور فقر کی وجہ سے یہ لوگ مصارف ٹھہرے تو فقر کی جہت کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی اور جس مسلک کی طرف ہم گئے ہیں یہ حضرت عمرؓ اور حضرت ابنِ عباسؓ سے مروی ہے۔

(ج) **تشریح:** یہاں سے یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ زکوٰۃ کے جو آٹھ مصرف قرآن میں بیان کیے گئے ہیں تو امام شافعیؒ کا مسلک ہے کہ ہر قسم میں سے تین تین افراد کو دے، تب زکوٰۃ ادا ہوگی (آٹھ مصرف میں سے مثلاً ابنِ سبیل ہے تو اب ابنِ سبیل ایک صنف ہوگیا، اب تین ابنِ سبیل کو دے تو زکوٰۃ ادا ہوگی؛ ورنہ نہیں) ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن میں جو آٹھ مصارف بیان کیے گئے ہیں ان میں ایک کی دوسرے کی طرف الف لام کے ساتھ اضافت کی ہے، تو یہ اضافت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ سبھی مستحق ہیں؛ اس لیے سبھی قسموں کو دینا ہوگا اور چونکہ یہ سب جمع کے صیغے ہیں اور جمع کا اطلاق کم سے کم تین پر ہوتا ہے؛ اس لیے ہر قسم کے تین تین فرد کو دینا ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ آیت میں لام کی اضافت یہ بتانے کے لیے ہے کہ آٹھ قسم کے آدمی مصرفِ زکوٰۃ ہیں جن کو چاہے دے دو، اس بات کے لیے نہیں ہے کہ یہ سب مستحق ہیں اور سب کو ہی دینا ہوگا اس کے بغیر زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

وھٰذا لما عرف: یہ دلیل عقلی ہے، عقلی دلیل یہ ہے کہ اصل میں تو زکوٰۃ اللہ کا حق ہے؛ لیکن اللہ غنی ہیں اور احتیاج وضرورت کی وجہ سے یہ سات قسم کے لوگ زکوٰۃ کے مصرف ٹھہرے، تو اب یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ یہ لوگ مصرف ہیں؛ البتہ صرف یہ دیکھا جائے گا کہ یہ محتاج ہے، بس اس کو زکوٰۃ دے دو؛ اس لیے ایک کو بھی دینا کافی ہوجائے گا۔

والذي ذهبنا: سے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ ایک قسم کو بھی دے دینے سے زکوٰۃ کی ادائیگی ہوجائے گی یہ تفسیر ابنِ عباس اور حضرت عمرؓ سے مروی ہے۔

(د) مصارف: فقراء، مساکین، صدقہ وصول کرنے والا، تالیف قلب کے لیے، آزاد کرنے میں، مقروض کو، اللہ کے راستے میں، ابنِ سبیل۔

سوال ۸۵، ہدایہ اوّل: ص ۲۳۴/ (خودساختہ)

(الف) عبارت باعراب: وَلَوْ كَانَ مُخْطِئًا أَوْ مُكْرِهًا فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ، خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ فَإِنَّهُ يَعْتَبِرُهُ بِالنَّاسِي، وَلَنَا أَنَّهُ لَايَغْلِبُ وُجُوْدُهُ وَعُذْرُ النِّسْيَانِ غَالِبٌ وَلِأَنَّ النِّسْيَانَ مِنْ قِبَلِ مَنْ لَهُ الْحَقُّ وَالْإِكْرَاهَ مِنْ قِبَلِ غَيْرِهٖ فَيَفْتَرِقَانِ كَالْمُقَيَّدِ وَالْمَرِيْضِ فِيْ قَضَاءِ الصَّلَاةِ.

(الف) اعراب لگائیے (ب) ترجمہ کیجیے (ج) تشریح کیجیے، نیز اختلاف کو واضح انداز میں بالدلیل لکھئے (د) كالمُقَيَّدِ والْمَرِيْضِ فِي قضاء إلخ کی تشریح کیجیے۔

جواب: (ب) ترجمہ: اور اگر غلطی سے کھایا یا زبردستی تو اس پر قضاء ہے۔ اختلاف ہے امام شافعیؒ کا؛ اس لیے کہ وہ قیاس کرتے ہیں بھولنے والے پر اور ہماری دلیل یہ ہے کہ غلطی کا وجود غالب (اکثر) نہیں ہے اور بھول کا وجود غالب ہے اور اس لیے بھی کہ بھول اس کی جانب سے ہے جس کو روزہ رکھوانے کا حق ہے (اللہ کی جانب سے) اور زبردستی اللہ کے علاوہ کی جانب سے (بندے کی جانب سے)؛ اس لیے دونوں عذروں میں فرق ہوگیا جیسے کہ نماز کی قضاء کے سلسلے میں بیڑی والے اور بیمار کے بارے میں فرق ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ج) تشریح: یہاں سے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے غلطی سے کھالیا، غلطی کا مطلب ہے کہ روزہ رکھا تو یاد تھا؛ لیکن کھانا نہیں چاہتا تھا اور غلطی سے کھا گیا یا دوسری شکل یہ ہے کہ کھانے کے لیے زبردستی کیا کہ نہیں کھاؤ گے تو ماردوں گا جس کی وجہ سے اس نے کھالیا تو ان دونوں صورتوں میں روزہ ٹوٹ جائے گا اور اس کی قضا لازم ہوگی؛ لیکن چونکہ جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا اس لیے کفارہ لازم نہیں ہوگا، یہ احناف کا مسلک ہے۔ امام شافعیؒ کا اختلاف ہے، وہ فرماتے ہیں کہ روزہ نہیں ٹوٹے گا، ان کی دلیل قیاس ہے، وہ قیاس کرتے ہیں ناسی پر کہ جس طرح بھول کر کھالے تو روزہ نہیں ٹوٹتا اسی طرح غلطی سے کھا پی لے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، یہ امام شافعیؒ کی دلیل ہے۔

ہماری اس سلسلے میں دو دلیلیں ہیں اور وہ دونوں عقلی ہیں۔ پہلی عقلی دلیل: یہ ہے کہ بھول تو بار بار ہوتی ہے اس میں آدمی کا اختیار نہیں ہوتا؛ اس لیے بھول کر کھالینے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا اور غلطی کے بارے میں روزہ یاد ہو پھر غلطی سے کھا جائے یہ بہت کم ہوتا ہے، پھر یہ کہ اس میں بندے کو اختیار رہتا ہے کہ جب اس کو روزہ یاد ہے تو وہ احتیاط کرے اور پیٹ میں کوئی چیز جانے نہ دے اور اس نے احتیاط نہیں کی تو اس کی غلطی ہے؛ اس لیے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

اور دوسری عقلی دلیل یہ ہے کہ بھول اللہ کا پیدا کردہ ہے اور اس میں بندے کو اختیار نہیں؛ اس لیے بھول کر کھالینے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا اور زبردستی کر کے کھلانا یہ بندے کی جانب سے ہے؛ اس لیے اس میں بندے کو اختیار ہے؛ اس لیے ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، یہ ایسا ہی ہوگیا جیسے کہ ایک آدمی بیڑی میں جکڑا ہوا ہے اور وہ کھڑا ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا تھا جس کی وجہ سے اس نے بیٹھ کر نماز پڑھی تو بیڑی کھلنے کے بعد اس کو دوبارہ نماز کھڑے ہو کر پڑھنی ہوگی؛ کیونکہ یہ کھڑے ہونے کی مجبوری اور بیڑی باندھنا بندے کی جانب سے ہے؛ اس لیے یہ ناقابلِ قبول ہے اور اسی طرح کہ اگر بیماری کی وجہ سے کھڑا نہیں ہوسکتا تھا، جس کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھی تو تندرست ہونے کے بعد اس کو

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

دوبارہ کھڑے ہوکر پڑھنے کی ضرورت نہیں؛ کیونکہ بیماری اللہ کی جانب سے ہے، اسی پر قیاس کرتے ہوئے بھول اللہ کی جانب سے ہے؛ اس لیے روزہ نہیں ٹوٹے گا اور اکراہ کرنا، غلطی کرنا بندے کی جانب سے ہے؛ اس لیے اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

(د) كالمُقَيَّدِ والمَرِيضِ فِي قضاء إلخ کی تشریح: اس کی تشریح پوری بسط وتفصیل کے ساتھ مکمل طور پر تشریح میں گزر چکی۔

سوال ۸۶، ہدایہ اوّل: ص/۲۴۰ (داخلہ امتحان ۱۴۳۱ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَمَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ قَضَاءُ رَمَضَانَ فَأَوْصَى بِهِ أَطْعَمَ عَنْهُ وَلِيُّهُ لِكُلِّ يَوْمٍ مِسْكِينًا نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ شَعِيرٍ لِأَنَّهُ عَجَزَ عَنِ الْأَدَاءِ فِي آخِرِ عُمْرِهِ فَصَارَ كَالشَّيْخِ الْفَانِي، ثُمَّ لَابُدَّ مِنَ الْإِيْصَاءِ، عِنْدَنَا، خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ، وَعَلٰى هٰذَا الزَّكَاةُ، هُوَ يَعْتَبِرُهُ بِدُيُوْنِ الْعِبَادِ إِذْ كُلُّ ذٰلِكَ حَقٌّ مَالِيٌّ يَجْرِي فِيْهِ النِّيَابَةُ.

(الف) اعراب لگائیے (ب) ترجمہ کیجیے (ج) تشریح کیجیے (د) وَعَلٰى هٰذَا الزكاة سے مصنفؒ کیا کہنا چاہتے ہیں؟

جواب: (ب) ترجمہ: اور جو شخص مرگیا اور اس پر رمضان کی قضا ہو، پس اس نے اس کی وصیت کی تو اس کی جانب سے اس کا ولی کھلائے گا ہر دن کے بدلے میں ایک مسکین کو آدھا صاع گیہوں یا ایک صاع کھجور یا جَو؛ اس لیے کہ اخیر عمر میں وہ روزہ ادا کرنے سے عاجز ہوگیا تو وہ شیخ فانی کی طرح ہوگیا، پھر ہمارے یہاں وصیت ضروری ہے اختلاف ہے امام شافعیؒ کا اور اسی اختلاف پر زکوٰۃ ہے وہ آدمی کے قرض پر قیاس کرتے ہیں؛ اس لیے کہ ہر ایک مالی حق ہے جس میں نیابت جاری ہوتی ہے۔

(ج) تشریح: یہاں سے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مرگیا اور اس پر رمضان کا روزہ قضا تھا اور اس نے ادائیگی کی وصیت بھی کی تو ولی اس کی قضا میں ہر دن

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلائے گا جس کی مقدار آدھا صاع گیہوں ہو، یا ایک صاع کھجور ہو، یا ایک صاع جو ہو؛ کیونکہ وہ آدمی روزہ رکھ سکتا تھا؛ لیکن سستی سے نہیں رکھا، حتیٰ کہ اس کا انتقال ہوگیا تو اب وہ شیخ فانی کی طرح ہوگیا اور شیخ فانی کا حکم یہ ہے کہ وہ فدیہ دے گا یا اس کا ولی فدیہ دے گا تو یہاں بھی میت کا ولی فدیہ دے گا۔

ثم لابد: یہاں سے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اگر مرنے والے پر روزہ کی قضا باقی ہے تو اب اس پر وصیت احناف کے نزدیک ضروری ہے کہ اپنے وارث کو فدیہ کی ادائیگی کی وصیت کردے اور اگر وصیت نہیں کی تو وارث پر ادا کرنا واجب نہیں ہوگا، وہ اگر چاہے تو ادا کرسکتا ہے یا نہیں۔ احناف کی دلیل یہ ہے کہ رمضان کی قضا عبادت ہے اور اس کا فدیہ دینا بھی عبادت ہے اور عبادت اس وقت ادا ہوتی ہے جبکہ اپنے اختیار سے اس کو ادا کرے، پس جب فدیہ دینے کی وصیت کرے گا تو اس کے اختیار سے فدیہ ہوگا اور یہ عبادت ہوئی؛ اس لیے وصیت کرے گا تو وارث پر ادا کرنا واجب ہوگا؛ ورنہ نہیں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ چاہے میت وصیت کرے یا نہ کرے وارث کو فدیہ دینا ضروری ہے؛ کیونکہ یہ مالی حق ہے جس میں نیابت جاری ہوتی ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ فدیہ اللہ کا قرض ہے اور جس طرح بندوں کا قرض اگر میت کے اوپر ہو تو میت کے وصیت کے بغیر وارث پر اس کا ادا کرنا ضروری ہوتا ہے اسی طرح فدیہ بھی بغیر میت کے وصیت کیے ادا کرنا ضروری ہوگا۔

(و)وَعَلٰی ھٰذَا الزکاۃ: سے مصنفؒ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ یہاں سے کہنا چاہتے ہیں کہ جس طرح رمضان کے فدیہ کے سلسلے میں جو اختلاف گزرا اسی طرح اختلاف زکوٰۃ میں بھی ہے کہ اگر کسی کے اوپر زکوٰۃ کا قرض باقی ہے اور وہ مرگیا تو ہمارے نزدیک زکوٰۃ کی ادائیگی کی وصیت میت پر ضروری ہوگی؛ تاکہ وارث اس کو ادا کرے اور امام شافعیؒ کے نزدیک وصیت ضروری نہیں؛ بلکہ بغیر وصیت کے وارث پر ضروری ہوگا کہ وہ میت کے اوپر کے زکوٰۃ کو ادا کرے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہماری دلیل یہ ہے کہ رمضان کا فدیہ یا اسی طرح زکوٰۃ کا فدیہ یہ سب عبادت ہے اور عبادت اس وقت ہوتی ہے جبکہ اپنے اختیار سے کرے اور وصیت کرنے میں اختیار ہوگا تو وہ پھر عبادت بن جائے گی؛ اس لیے وصیت ضروری ہے۔

سوال ۸۷، ہدایہ اوّل: ص ۲۴۳ (داخلہ امتحان ۱۴۲۵ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَمَنْ جَامَعَ بَعْدَ الْوُقُوْفِ بِعَرَفَةَ لَمْ يَفْسُدْ حَجُّهُ وَعَلَيْهِ بُدْنَةٌ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ فِيْمَا إِذَا جَامَعَ قَبْلَ الرَّمْيِ، لِقَوْلِهٖ –عَلَيْهِ السَّلَامُ– مَنْ وَقَفَ بِعَرَفَةَ فَقَدْ تَمَّ حَجُّهُ، وَإِنَّمَا تَجِبُ الْبَدَنَةُ لِقَوْلِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَوْ لِأَنَّهُ أَعْلَى أَنْوَاعِ الْإِرْتِفَاقِ فَيَتَغَلَّظُ مُوْجِبُهُ، وَإِذَا جَامَعَ بَعْدَ مَا طَافَ أَرْبَعَةَ أَشْوَاطٍ أَوْ أَكْثَرَ فَعَلَيْهِ شَاةٌ وَلَاتَفْسُدُ عُمْرَتُهُ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ تَفْسُدُ فِي الْوَجْهَيْنِ وَعَلَيْهِ بَدَنَةٌ اِعْتِبَارًا بِالْحَجِّ إِذْ هِيَ فَرْضٌ عِنْدَهُ كَالْحَجِّ.

(الف) اعراب لگائیے (ب) ترجمہ کیجیے (ج) پہلے والے مسئلے کو اچھی طرح واضح کیجیے (د) دوسرے والے مسئلے میں اختلافِ ائمہ مع دلائل لکھیں۔

جواب: (ب) ترجمہ: اور جس نے وقوفِ عرفہ کے بعد جماع کیا تو اس کا حج فاسد نہیں ہوگا اور اس پر اونٹ لازم ہے اختلاف ہے امام شافعیؒ کا، وہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں جبکہ رمی سے پہلے جماع کیا ہو نبی علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ ''جو عرفہ میں ٹھہرا اس کا حج پورا ہوگیا'' اور البتہ بدنہ واجب ہوگا حضرت ابنِ عباسؓ کے قول کی وجہ سے، یا اس لیے کہ وہ ارتفاق کا اعلیٰ درجہ ہے اس کا سبب غلیظ ہوگا، اور اگر چار شوط (چکر) یا اس سے زیادہ شوط کیا اور اس کے بعد جماع کیا تو اس پر بکری ہے اور اس کا عمرہ فاسد نہیں ہوگا اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں فاسد ہوگا اور اس پر بدنہ ہے حج پر قیاس کرتے ہوئے؛ اس لیے کہ عمرہ بھی ان کے نزدیک حج کی طرح ہے، فرض ہونے کی وجہ سے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ج) تشریح: مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ وقوفِ عرفہ کے بعد اور حلق سے پہلے بیوی سے جماع کیا تو حج تو ہو گیا؛ کیونکہ وقوفِ عرفہ تو کرلیا ہے؛ لیکن اس پر بدنہ ہوگا؛ کیونکہ حلق سے پہلے بیوی حلال نہیں تھی تو یہ خیانت سنگین ہوئی؛ اس لیے اس پر اونٹ (بدنہ) ذبح کرنا ضروری ہوگا، یہ ہمارے نزدیک ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جمرۂ عقبہ کی رمی سے پہلے پہلے جماع کیا ہو تو چاہے وقوفِ عرفہ کر چکا ہو پھر بھی جمع فاسد ہو جائے گا۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ جمرۂ عقبہ کی رمی سے پہلے پہلے خوشبو اور سلا ہوا کپڑا وغیرہ حلال نہیں ہے، اس کے بعد ہی حلق کرانا حلال ہوتا ہے؛ اس لیے جمرۂ عقبہ سے پہلے حج کے اہم ارکان باقی ہیں؛ اس لیے اس سے پہلے جماع کرنے سے حج فاسد ہو جائے گا۔ ہماری دلیل یہ حدیث ہے کہ: ''اگر وقوفِ عرفہ کے بعد جماع کرلیا حلق سے پہلے پہلے تو حج فاسد نہیں ہوگا''؛ بلکہ حج پورا ہو جائے گا، رہا بدنہ تو وہ حضرت ابنِ عباسؓ کی تفسیر سے ہدی لازم ہوگی؛ کیونکہ وہ اس ہدی سے مراد اونٹ لیتے ہیں۔ (اثمار الہدایہ) دوسری عقلی دلیل یہ ہے کہ وقوفِ عرفہ کے بعد چونکہ ابھی تک خوشبو وغیرہ حلال نہیں ہوئی اور اس حال میں لذتِ کاملہ حاصل کی؛ اس لیے اس کی سزا بھی سنگین ہوگی یعنی بدنہ (اونٹ) لازم ہوگا۔

(د) **دوسرے والے مسئلے میں اختلافِ ائمہ مع دلائل:** عبارت میں دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر عمرے میں چار شوط یا اس سے زیادہ شوط کے بعد کسی شخص نے جماع کیا تو اس سے عمرہ فاسد نہیں ہوگا؛ کیونکہ اکثر شوط گزر چکا ہے؛ لیکن چونکہ حلال ہونے سے پہلے بیوی سے جماع کیا؛ اس لیے اس پر ایک بکری لازم ہوگی، یہ ہمارے نزدیک ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ چار شوط یا اس سے زیادہ شوط (دونوں صورتوں میں) عمرہ فاسد ہوگا؛ کیونکہ ابھی رمی باقی ہے اور اس پر بکری کے بجائے بدنہ واجب ہوگا؛ کیونکہ امام شافعیؒ کے نزدیک عمرہ بھی حج کی طرح ہے؛ چونکہ حج کے فساد کی صورت میں ان کے یہاں بدنہ واجب ہوتا ہے، لہٰذا اسی پر قیاس کرتے ہوئے عمرہ فاسد ہونے پر بھی بدنہ واجب ہوگا،

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ان کی دلیل قرآن کی آیت ﴿وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ﴾ ہے، اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ عمرہ بھی واجب ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ عمرہ سنت ہے؛ اس لیے حج سے کم درجہ ہے اور سنت جماع سے فاسد ہو جائے تو بکری لازم ہوگی؛ تاکہ فرض اور سنت میں فرق باقی رہے، حدیث میں ہے:"عن جابر بن عبداللّٰه أنه قال قلت يا رسول اللّٰه! العمرة واجبة وفريضتها كفريضة الحج؟ قال: لا وأنْ تعتمر خير لك" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عمرہ نفل ہے۔

اس طرح دوسری حدیث ہے:"عن أبي صالح الحنفيّ أن رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلم قال: الحجُّ جهادٌ والعمرة تَطَوُّعٌ". اس حدیث سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ عمرہ سنت ہے، لہٰذا فرق کو باقی رکھنے کے لیے عمرہ میں جماع کر لینے سے بکری واجب کریں گے۔

سوال ۸۸، ہدایہ اوّل: ص/۴۹ (سالانہ ۱۴۳۳ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَمَنْ صَلَّى الظُّهْرَ فِيْ رَحْلِهٖ وَحْدَهٗ صَلَّى الْعَصْرَ فِيْ وَقْتِهٖ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَؒ وَقَالَا يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا الْمُنْفَرِدُ لِأَنَّ جَوَازَ الْجَمْعِ لِلْحَاجَةِ إِلٰى اِمْتِدَادِ الْوُقُوْفِ، وَالْمُنْفَرِدُ مُحْتَاجٌ إِلَيْهِ، وَلِأَبِيْ حَنِيْفَةَؒ أَنَّ الْمُحَافَظَةَ عَلَى الْوَقْتِ فَرْضٌ بِالنُّصُوْصِ فَلَايَجُوْزُ تَرْكُهٗ إِلَّا فِيْمَا وَرَدَ الشَّرْعُ بِهٖ وَهُوَ الْجَمْعُ بِالْجَمَاعَةِ مَعَ الْإِمَامِ وَالتَّقْدِيْمُ لِصِيَانَةِ الْجَمَاعَةِ لِأَنَّهٗ يَعْسِرُ عَلَيْهِمُ الْاِجْتِمَاعُ لِلْعَصْرِ بَعْدَ مَاتَفَرَّقُوْا فِي الْمَوْقِفِ، لَا لِمَاذَكَرَاهُ إِذْ لَامُنَافَاةَ.

(الف) اعراب لگائیے (ب) ترجمہ کیجیے (ج) اختلافِ ائمہ اور ان کے دلائل کی وضاحت کیجیے (د) لَا لِمَا ذَكَرَا إلخ سے مصنف کیا کہنا چاہتے ہیں؟

جواب: (ب) ترجمہ: اور جس نے ظہر کی نماز اپنی منزل میں تنہا پڑھی، تو وہ امام

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ابوحنیفہؒ کے نزدیک عصر کو اس کے وقت میں پڑھے اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ تنہا پڑھنے والا بھی دونوں نمازوں کو جمع کرے؛ اس لیے کہ جمع کا جائز ہونا وقوفِ عرفہ کے دراز ہونے کی ضرورت کی وجہ سے ہے اور منفرد بھی اس کا محتاج ہے اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ وقت کی پابندی کرنا نصوصِ قرآنی سے فرض ہے؛ لہٰذا اس کا ترک صرف اسی صورت میں جائز ہوگا جس صورت کو شریعت نے بیان کیا ہے اور وہ امام کے ساتھ باجماعت جمع کرنا ہے اور عصر کو مقدم کرنا جماعت کی حفاظت کے لیے ہے؛ کیونکہ موقف میں متفرق ہونے کے بعد لوگوں پر عصر کے لیے جمع ہونا دشوار ہوگا، نہ کہ اس وجہ سے جو صاحبینؒ نے بیان کیا ہے؛ کیونکہ کوئی منافات نہیں ہے۔

(ج) اختلافِ ائمہ اور ان کے دلائل: مسئلہ: ہر حاجی کے لیے میدانِ عرفہ میں جمع بین الصلاتین مسنون اور مستحب ہے؛ لیکن اگر کسی حاجی نے امام کی اقتداء نہیں کی اور اپنی منزل میں تنہا ظہر کی نماز پڑھ لی، تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ شخص عصر کی نماز اس کے وقت میں اداء کرے اور جمع بین الصلاتین نہ کرے۔

اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ منفرد کے لیے بھی جمع بین الصلاتین کا حکم ہے، صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ میدانِ عرفات میں حاجی کے لیے ظہر وعصر کو جمع کرنے کی اجازت اس لیے دی گئی ہے؛ تاکہ وقوفِ عرفہ زیادہ سے زیادہ کرسکے (یہی وجہ ہے کہ جس پر وقوفِ عرفہ فرض نہیں؛ اس کے لیے جمع بین الصلاتین کی بھی اجازت نہیں) اور وقوفِ عرفہ کا طویل ہونا منفرد اور جماعتی دونوں کے لیے یکساں ہوگا۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ وقت کے اندر نماز کی محافظت فرض ہے اور نصوصِ قرآنی مثلاً: ﴿حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾ اور ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا﴾ وغیرہ سے ثابت ہے؛ لہٰذا پابندیٔ وقت کے ساتھ نماز پڑھنا فرض اور ضروری ہے، اِلا یہ کہ اس کے خلاف شریعت وارد ہوئی ہو اور شریعت کا ورود اس صورت میں ہے جبکہ امام کے ساتھ جماعت سے نماز اداء کی جائے،

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

پس ثابت ہوا کہ اگر یومِ عرفہ میں حاجی ظہر وعصر کو باجماعت اداء کرتا ہے، تو عصر کو اس کے وقت پر مقدم کر کے جمع بین الصلاتین کی اجازت ہے؛ ورنہ نہیں۔

(د) لَا لِمَا ذَكَرَاهُ سے مصنفؒ کی مراد: یہ صاحبینؒ کے دلیل کی تردید ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ عصر کی تقدیم وقوفِ عرفہ کی طوالت کے پیشِ نظر نہیں ہے جیسا کہ صاحبینؒ نے ذکر کیا ہے؛ بلکہ یہ تقدیم اس لیے ہے؛ تاکہ لوگوں کو جماعت کی نماز مل جائے اور سب کے سب باجماعت عصر پڑھ لیں؛ کیونکہ ظہر پڑھ کر اگر لوگ میدانِ عرفات میں منتشر ہو گئے تو عصر کے لیے ان کو جمع کرنا بہت دشوار ہوگا اور بہت سے لوگ جماعت سے محروم ہو جائیں گے؛ لہٰذا یہ تقدیم جماعت کی فضیلت اور اس کا ثواب حاصل کرنے کی غرض سے ہے، نہ کہ وقوفِ عرفہ کی طوالت کی غرض سے؛ کیونکہ نماز اور وقوف میں کوئی منافات نہیں ہے۔

سوال ۸۹، ہدایہ اوّل: ص ۲۴۷ (داخلہ امتحان ۱۴۲۳ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَإِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ أَفَاضَ الْإِمَامُ وَالنَّاسُ مَعَهُ عَلٰى هَيْئَتِهِمْ حَتّٰى يَأْتُوا الْمُزْدَلِفَةَ لِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَفَعَ بَعْدَ غُرُوْبِ الشَّمْسِ وَلِأَنَّ فِيْهِ إِظْهَارُ مُخَالِفَةِ الْمُشْرِكِيْنَ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْشِيْ عَلٰى رَاحِلَتِهِ فِي الطَّرِيْقِ عَلٰى هَيْئَتِهِ.

(الف) اعراب لگائیے (ب) ترجمہ کیجیے (ج) مطلب لکھیے (د) بتائیں کہ غروبِ شمس کے بعد واپس ہونے میں مشرکین کی مخالفت کیسے ثابت ہو رہی ہے؟

جواب: **(ب) ترجمہ:** اور جب آفتاب غروب ہو جائے تو امام واپس ہو اور سارے لوگ بھی اس کے ساتھ سکون ووقار کے ساتھ واپس ہوں یہاں تک کہ مزدلفہ آجائیں؛ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غروبِ شمس کے بعد روانہ ہوئے تھے، اور اس لیے کہ ایسا کرنے میں مشرکین کی مخالفت کا اظہار ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر راستہ میں سکون کے ساتھ چلتے تھے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ج) مطلب: نویں ذی الحجہ کو آفتاب غروب ہونے کے بعد مغرب کی نماز پڑھے اور پھر سارے حجاج (امام اور سارے لوگ) پر وقار طریقے سے لوٹ کر مزدلفہ آجائیں؛ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی عرفات سے غروبِ شمس کے بعد ہی روانہ ہوئے تھے اور دوسری دلیل یہ ہے کہ اس میں مشرکین کی مخالفت کا اظہار ہے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم عرفات سے مزدلفہ کے راستے میں اپنی اونٹنی (قصواء) پر انتہائی سکون اور وقار کے ساتھ چلتے تھے؛ اس لیے امتی کا بھی یہی حق ہے کہ وہ سکون ووقار کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دے۔

(د) **غروبِ شمس کے بعد واپس ہونے میں مشرکین کی مخالفت کیسے ثابت ہوتی ہے؟** غروبِ شمس کے بعد واپس ہونے میں مشرکین کی مخالفت بایں طور ہے کہ یہ ظالم غروبِ شمس سے پہلے ہی عرفات سے کوچ کر جاتے تھے۔

سوال ۹۰، ہدایہ اوّل: ص ۲۵۲/ (داخلہ امتحان ۱۴۳۱ھ)

(الف) **عبارت باعراب:** وَإِذَا كَانَ مِنَ الْغَدِ رَمَى الْجِمَارَ الثَّلَاثَ بَعْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ كَذَالِكَ وَإِنْ أَرَادَ أَنْ يَتَعَجَّلَ النَّفْرَ نَفَرَ إِلَى مَكَّةَ، وَإِنْ أَرَادَ أَنْ يُقِيمَ رَمَى الْجِمَارَ الثَّلَاثَ فِي الْيَوْمِ الرَّابِعِ بَعْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقَى﴾ وَالْأَفْضَلُ أَنْ يُقِيمَ لِمَا رُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَبَرَ حَتّٰى رَمَى الْجِمَارَ الثَّلَاثَ فِي الْيَوْمِ الرَّابِعِ.

(الف) اعراب لگائیے (ب) ترجمہ کیجیے (ج) بتائیں کہ "الغد" اور "الیوم الرابع" نیز "یومین" سے ذی الحجہ کی کون کون سی تاریخیں مراد ہیں؟ پھر عبارت کا مطلب لکھئے۔

جواب: (ب) ترجمہ: اور جب اگلا دن ہو تو اسی طرح زوالِ آفتاب کے بعد تینوں

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جمروں کی رمی کرے اور اگر جلدی کوچ کرنا چاہے تو مکہ کی طرف کوچ کر جائے اور اگر قیام کا ارادہ ہو تو چوتھے دن زوالِ شمس کے بعد تینوں جمرات کی رمی کرے؛ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''جو شخص دو دن میں جلدی کرے اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اور جو تاخیر کرے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں ہے، اس شخص کے لیے جو تقویٰ اختیار کرے'' اور افضل یہ ہے کہ قیام کرے؛ کیونکہ روایت کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہرے رہے، یہاں تک کہ چوتھے دن تینوں جمرات کی رمی فرمائی۔

(ج) ''الغد''، ''الیوم الرابع'' اور ''یومین'' کی مراد: الغد: ۱۲/ذی الحجہ۔ الیوم الرابع: ۱۳/ذی الحجہ۔ یومین: ۱۲/۱۳/ذی الحجہ۔

عبارت کا مطلب: مسئلہ یہ ہے کہ ۱۱/ذی الحجہ کو رمی جمار کر کے حاجی منیٰ ہی میں مقیم رہے اور بارہویں تاریخ کو جب سورج ڈھل جائے تو حسبِ سابق تینوں جمرات کی رمی کرے، اب اگر اسے جلدی ہو تو اسی تاریخ کو مکہ چلا جائے اور اگر جلدی نہ ہو تو اگلے دن یعنی تیرہویں ذی الحجہ تک منیٰ میں رہے اور تیرہویں کو زوالِ آفتاب کے بعد تینوں جمرات کی رمی کرے، پھر مکہ کے لیے روانہ ہو۔ دلیل باری تعالیٰ کا قول ﴿فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ﴾ ہے یعنی خواہ بارہ کو جائے یا تیرہ کو جائے کوئی حرج نہیں؛ البتہ افضل یہ ہے کہ تیرہویں ذی الحجہ تک منیٰ میں ٹھہرا رہے؛ کیونکہ اس میں عملِ نبویؐ کی اقتداء ہے؛ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ۱۳/ذی الحجہ کو رمی کرنے کے بعد ہی منیٰ سے مکہ سے تشریف لے گئے تھے۔

سوال ۹۱، ہدایہ اوّل: ص/۲۵۶ (سالانہ ۱۴۴۳ھ وداخلہ امتحان ۱۴۴۴ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَمَنْ قَلَّدَ بُدْنَةً تَطَوُّعًا أَوْ نَذْرًا أَوْ جَزَاءَ صَيْدٍ أَوْ شَيْئًا مِّنَ الْأَشْيَاءِ وَتَوَجَّهَ مَعَهَا يُرِيْدُ الْحَجَّ فَقَدْ أَحْرَمَ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ''مَنْ قَلَّدَ بُدْنَةً فَقَدْ أَحْرَمَ'' وَلِأَنَّ سُوْقَ الْهَدْيِ فِيْ مَعْنَى التَّلْبِيَةِ فِيْ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

إِظْهَارِ الْإِجَابَةِ لِأَنَّهُ لَا يَفْعَلُهُ إِلَّا مَنْ يُرِيْدُ الْحَجَّ أَوِ الْعُمْرَةَ وَإِظْهَارُ الْإِجَابَةِ قَدْ يَكُوْنُ بِالْفِعْلِ كَمَا يَكُوْنُ بِالْقَوْلِ فَيَصِيْرُ بِهٖ مُحْرِمًا لِاِتِّصَالِ النِّيَّةِ بِفِعْلٍ هُوَ مِنْ خَصَائِصِ الْإِحْرَامِ.

(الف) اعراب لگائیے (ب) ترجمہ کیجیے (ج) تقلید کا طریقہ بیان کرکے عبارت کی مکمل تشریح کریں (د) بتائیں کہ "إظهار الإجابة" سے کیا مراد ہے؟

جواب: **(ب) ترجمہ:** اور جس شخص نے بدنہ کا قلادہ کیا خواہ نفل ہو، یا نذر کا ہو، یا شکار کی جزاء کا ہو یا کسی اور چیز کا ہو اور حج کے ارادہ سے بدنہ کے ساتھ وہ خود بھی متوجہ ہو تو وہ محرم ہوگیا؛ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے بدنہ کو قلادہ لٹکایا وہ محرم ہوگیا اور اس لیے بھی کہ جانور ہانکنا اظہار اجابت میں تلبیہ کے معنیٰ میں ہے؛ اس لیے کہ یہ کام وہی کرتا ہے جو حج یا عمرہ کا ارادہ کرتا ہے اور اجابت کا اظہار جس طرح قول سے ہوتا ہے اسی طرح کبھی فعل سے بھی ہوتا ہے؛ لہٰذا تقلید سے انسان محرم ہوجائے گا؛ کیونکہ نیت ایسے فعل کے ساتھ متصل ہے جو احرام کے خصائص میں سے ہے۔

(ج) تقلید کا طریقہ: تقلید کا طریقہ یہ ہے کہ بدنہ کے گلے میں جوتے کا ٹکڑا یا لوٹے کا دستہ یا درخت کی ٹہنی وغیرہ ڈال دی جائے۔

تشریح عبارت: صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنے بدنہ کے گلے میں قلادہ ڈالا، خواہ بدنہ نفلی ہو یا نذر کا یا گزشتہ کبھی احرام کی حالت میں شکار کرنے کی وجہ سے جرمانہ کا جانور ہو، یا دمِ تمتع وغیرہ ہو اور یہ شخص حج کے ارادے سے اپنے بدنہ کے ساتھ مکۃ المکرّمہ کی طرف روانہ بھی ہوگیا تو یہ محرم ہوگیا، خواہ زبان سے تلبیہ کہا ہو یا نہ کہا ہو۔ پہلی دلیل تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "مَنْ قَلَّدَ بُدْنَةً فَقَدْ أَحْرَمَ" دوسری دلیل یہ ہے کہ دعاءِ ابراہیمی کی قبولیت کا جواب دینے میں ہدی چلانا تلبیہ کے معنیٰ میں ہے؛ کیونکہ سوقِ ہدیٰ کا کام وہی کرتا ہے جو حج یا عمرہ کا ارادہ رکھتا ہو۔

(د) إظهار الإجابة: سے مراد یہ ہے کہ قبولیت کا اظہار جس طرح قول یعنی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

تلبیہ سے ہوتا ہے، اسی طرح فعل یعنی سوقِ ہدیٰ سے بھی ہوتا ہے؛ اس لیے یہ شخص سوقِ ہدی سے محروم ہو جائے گا۔

سوال ۹۲، ہدایہ اوّل: ص ر ۲۵۷ (سالانہ ۱۴۳۷ھ)

(الف) عبارت باعراب: اَلْقِرَانُ أَفْضَلُ مِنَ التَّمَتُّعِ وَالْإِفْرَادِ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ اَلْإِفْرَادُ أَفْضَلُ، وَقَالَ مَالِكٌ اَلتَّمَتُّعُ أَفْضَلُ مِنَ الْقِرَانِ لِأَنَّ لَهُ ذِكْرًا فِي الْقُرْآنِ وَلَا ذِكْرَ لِلْقِرَانِ فِيهِ، وَلِلشَّافِعِيِّ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ "اَلْقِرَانُ رُخْصَةٌ" وَلِأَنَّ فِي الْإِفْرَادِ زِيَادَةُ التَّلْبِيَةِ وَالسَّفَرِ وَالْحَلْقِ، وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ "يَا آلَ مُحَمَّدٍ أَهِلُّوا بِحَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ مَعًا" وَلِأَنَّ فِيهِ جَمْعًا بَيْنَ الْعِبَادَتَيْنِ فَتَشَبَّهَ الصَّوْمَ مَعَ الْإِعْتِكَافِ، وَالْحِرَاسَةَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ مَعَ صَلَاةِ اللَّيْلِ.

(الف) اعراب لگائیے (ب) ترجمہ کیجیے (ج) مذکورہ مسئلہ میں ائمہ کرام کے اقوال مع دلائل تحریر کیجیے۔

جواب: (ب) ترجمہ: قِران، تمتع اور افراد سے افضل ہے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ افراد افضل ہے، امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ تمتع، قران سے افضل ہے؛ کیونکہ قرآن میں اس کا ذکر ہے جبکہ قران کا کتاب اللہ میں ذکر نہیں ہے اور امام شافعیؒ کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے کہ قِران رخصت ہے اور اس لیے کہ افراد میں تلبیہ، سفر اور حلق کا اضافہ ہے اور ہماری دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ "اے آلِ محمد! تم ایک ساتھ حج اور عمرہ کا احرام باندھو" اور اس لیے بھی کہ اس میں دو عبادتوں کو جمع کرنا ہے؛ لہٰذا یہ روزہ اور اعتکاف کو جمع کرنے کے مشابہ ہو گیا اور راہِ خدا میں تہجد کے ساتھ حفاظت کرنے کے مشابہ ہو گیا۔

(ج) **ائمہ کرام کے اقوال مع دلائل:** حج کی اقسامِ ثلاثہ یعنی افراد، تمتع اور قِران میں سے کون سی قسم افضل ہے اس کے متعلق ائمہ کا اختلاف ہے۔ ہمارے یہاں قِران، امام مالکؒ کے یہاں تمتع، اور امام شافعیؒ کے یہاں افراد افضل ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

افراد کی افضلیت پر امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ: ''اَلْقِرَانُ رُخْصَةٌ وَالْإِفْرَادُ عَزِيْمَةٌ'' کہ قِران رخصت ہے اور اِفراد عزیمت ہے اور ظاہر ہے کہ جو چیز عزیمت ہو اس پر عمل کرنا زیادہ بہتر ہے؛ اس لیے حجِ افراد کرنا حجِ قِران کرنے سے افضل ہے۔

تمتع کی افضلیت پر امام مالکؒ کی دلیل یہ ہے کہ: قرآن پاک میں تمتع کا ذکر ہے؛ چنانچہ ارشاد ہے: ﴿فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ﴾ اور قِران کا قرآن پاک میں ذکر نہیں ہے اور یہ بات مسلّم ہے کہ جو چیز قرآن پاک میں مذکور ہو وہ افضل ہے، بہ نسبت اس چیز کے جو قرآن پاک میں مذکور نہ ہو۔

اور قِران کی افضلیت پر احنافؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے آلِ محمد! تم حج اور عمرہ دونوں کا احرام ایک ساتھ باندھو۔ غور کیجیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل وعیال کو ایک ساتھ حج اور عمرہ کا احرام باندھنے کا حکم فرمایا ہے اور یہ چیز قِران میں ہوتی ہے، پس معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اولاد کو قِران کا امر فرمایا ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ نبی اپنی اولاد کو افضل چیز ہی کا حکم دیتا ہے نہ کہ مفضول چیز کا، پس ثابت ہوا کہ قِران افضل ہے۔

''تَمَّتْ بِالْخَيْرِ''

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa